ماہنامہ محدث بنارس

سرپرست
عبداللہ سعود بن عبدالوحید

مدیر
مولانا عبدالوہاب حجازی

معاون مدیر
مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی — مولانا عبدالمتین مدنی

عدد مسلسل: ۳۴۹
جلد: ۳۱ ، شمارہ: ۱
ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
جنوری ۲۰۱۳ء

بدل اشتراک

- ہندوستان: 150 روپے
- بیرون ممالک: 40 ڈالر
- فی شمارہ: 15 روپے

مراسلت کا پتہ

دار التالیف والترجمہ
بی ۱۸/۱ جی، ریوڑی تالاب
وارانسی - ۲۲۱۰۱۰
Darut Taleef Wat Tarjama
B.18/1-G, Reori Talab,
Varanasi - 221010

اس شمارہ میں

۱-درس قرآن	عبداللہ سعود بن عبدالوحید	۲
۲-درس حدیث	مولانا عبدالمتین مدنی	۳
۳-افتتاحیہ	مدیر	۴
۴-حدیث نبوی کی حجیت اور.....	مولانا محمد مستقیم سلفی	۶
۵-آپ ﷺ کی شفقت ورحمت	محمد اسلم مبارک پوری	۱۳
۶-عید میلاد النبی ﷺ کی شرعی حیثیت	عبدالغفار سلفی	۲۱
۷-صلہ رحمی کی اہمیت اسلامی کی نظر میں	مولانا علی حسین سلفی	۲۶
۸-جائزہ اپنا اپنا	عبیداللہ ناصر	۳۰
۹-صوبۂ جھارکھنڈ میں فتنۂ انکار حدیث...	محمد طیب المدنی	۳۴
۱۰-دعوت الی اللہ: وقت کی اہمیت ضرورت	ایثار الدین ابوالکلام	۳۸
۱۱-مولانا محمد یحییٰ صاحب بنارسیؒ	مولانا محمد یونس مدنی	۴۱
۱۲-اخبار جامعہ	ادارہ	۴۴
۱۳-عالم اسلام	ظل الرحمٰن سلفی	۴۵
۱۴-باب الفتاوی	مولانا نور الہدی سلفی	۴۶

نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

ان دوفرقوں میں سے امن کا کون زیادہ مستحق ہے اگر تم جانتے ہو؟ (سورہ انعام:۸۱)

(امام بخاری رحمہ اللہ اور آپ کی الجامع الصحیح)

(۱۳) عبداللہ سعود بن عبدالوحید

امام بخاری رحمہ اللہ نے صرف صحیح حدیثوں کو جمع ہی نہیں کیا بلکہ ان صحیح احادیث سے ان غلط روش اور طریقوں کی تردید کی طرف اشارہ بھی کیا جو فقہاء کی وجہ سے محل نزاع بن گئے تھے، اور جو امت محمدیہ کے اندر اختلاف کی اصل وجہ تھی۔ احادیث کے اندر شکوک وشبہات پیدا کرنا، مسائل کے استنباط میں رائے اور قیاس کی بالادستی کا عام ہونا، اور صحیح وضعیف روایات کی شناخت کئے بغیر حدیث کے نام پر دینی مسائل میں اختلاف ہونا یہ تمام چیزیں عام ہوچکی تھیں اور اس کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کی سنت سے لوگ دور ہورہے تھے۔ ایسے حالات میں جب امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری کی تصنیف کا کام شروع کیا تو آپ کا اسلوب اور طریقہ وہ عالمانہ اور فقیہانہ تھا جس کی باریکی اور راز کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے جس کا دل ایمان کے نور سے منور ہو، جو محبت رسول اور اطاعت رسول سے سرشار ہو اور جو فقہی تنگ نظری اور تعصب سے پاک ہو۔

جیسا کہ اللہ تعالی نے سورہ نور آیت ۵۱-۵۲ میں فرمایا: ﴿إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَن يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُوْلَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ، وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ وَيَتَّقْهِ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ﴾ بیشک مومنین کی بات جب ان کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف دعوت دی جاتی ہے تو صرف یہ ہوتی ہے کہ وہ یہ کہیں: "سمعنا و أطعنا" ہم نے سنا پس اسی پر چلیں گے اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں، اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اور اللہ سے ڈرے گا اور بچ کر اسی کے راستہ پر چلے گا پس یہی لوگ کامیاب ہوں گے۔

بھلا سوچئے چھ لاکھ حدیثوں میں سے چھانٹ کر (۷۵۶۲) حدیثوں کو چن چن کر الگ کرنا اور کتاب کو اس طریقہ پر ترتیب دینا کہ ہر حدیث بذات خود ایک سرخی اور باب ہو، امام بخاری کی نیت اور آپ کی تبحر علمی پر دلالت کرتی ہے، کیا ان حدیثوں کے علاوہ اور صحیح حدیثیں نہیں تھیں یا امام صاحب اس کو نہیں جانتے تھے، ایسا نہیں ہے، تہذیب النووی: ۶۸ میں امام نووی رحمہ اللہ نے امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے: "أحفظ مائة ألف حديث صحيح ومائتي ألف حديث غير صحيح" مجھے ایک لاکھ صحیح حدیثیں یاد ہیں اور دو لاکھ ایسی حدیثیں یاد ہیں جو صحیح نہیں ہیں، یعنی غیر صحیح حدیثوں کا چلن صحیح کے مقابلہ میں ڈبل ہے۔ یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ شریعت اسلامیہ کے احکام ومسائل میں تحقیق اور تدقیق کی کتنی ضرورت ہے۔

(بقیہ صفحہ ۲۵ پر)

درس حدیث

اتفاق واتحادوقت کی اہم ترین ضرورت

مولانا عبدالمتین مدنی

عَنْ أَنَس رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: لَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَلا تَقَاطَعُوْا وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَاناً، وَلَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَّهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ۔ (متفق علیہ خ ۱۰/۴۰۱، ۴۰۳، م ۲۵۵۹)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہ تم ایک دوسرے سے کینہ رکھواور نہ ایک دوسرے سے حسد رکھواور نہ ایک دوسرے سے دشمنی رکھواور نہ ایک دوسرے سے قطع تعلق رکھواور اللہ کے بندے بھائی بھائی بن کر رہو اور کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع کلام رکھے۔

مسلم معاشرہ کے افراد کے باہمی روابط مضبوط وخوشگوار ہونے چاہئیں، باہم محبت، احترام، شفقت اور ہمدردی کی بنیاد پر آپس کے تعلقات قائم رہیں، ایک رب کے بندے، ایک نبی کی امت اور ایک قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے والوں کی صفوں میں بھی اتحاد اور شیرازہ بندی ہو، توحید کا کلمہ انہیں وحدت کی انوکھی مثال بنادے، ان کی عبادتیں، ان کے معاملات، ان کے اخلاق وکردار اسی اسلامی وحدت کے آئینہ دار ہوں۔ ایسی محبت جس کی مثال نہ ملے، ایسا ایثار جس نظیر نہ پیش کی جاسکے، ایسی ہمدردی وغمگساری جس کا کوئی بدل نہ ہو، یہ مسلم معاشرہ کی تصویر بن جائے، لڑائی جھگڑا کی نہ کوئی بنیاد، بغض وعداوت سے نہ کوئی واسطہ، حسد اور جلن کو نہ کوئی راہ، دشمنی اور انتقام کی نہ کوئی بات، اللہ نے جب ہم کو ایک رشتے سے جوڑ دیا تو اس رشتہ کے تقدس کو سمجھیں اور اپنے عمل سے اس کی پوری پاس داری کریں، وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ اِخْوَاناً۔ (آل عمران:۱۰۳)

اور اللہ کی اس وقت کی نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی، پس تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے۔

ایمان کا یہ رشتہ حسب ونسب سے بھی زیادہ مقدس ہے اور ہر وہ عمل جو اس رشتہ کو متاثر کرے یا اس کے منافی ہو اس سے مسلمانوں کو روکا گیا اور دوری اختیار کرنے کا حکم دیا گیا۔ مذکورہ بالا حدیث میں بھی اللہ کے رسول ﷺ نے اس بات کی تاکید فرمائی، اس لیے اس رشتہ کی مضبوطی اور بقا کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہمارے دل ایک دوسرے کے لیے بالکل صاف ہوں، بلکہ ہم ان سے ایک دوسرے کے لیے خیر چاہنے والے، ہمدردی رکھنے والے، محبت اور احترام کرنے والے ہوں اور اگر واقعی ہم ایسے ہی ہیں تو پھر بغض وحسد اور عداوت ودشمنی کا گذر کہاں ممکن ہے۔

مسلمانوں کی شان اور ان کی طاقت وقوت کا سرچشمہ ایمان کے بعد ان کے اتحاد واتفاق میں ہے بلکہ یہ اتفاق واتحاد اسی ایمان کا تقاضا ہے، اس لیے کہ اس کی بنیاد اسی پر قائم ہے، اور اگر ہم اتفاق واتحاد کی نعمت سے محروم ہیں اور اپنے عمل سے اس کے حصول کے لیے کوشاں نہیں ہیں تو گویا نہ ہم نے اس عظیم کلمہ کی اہمیت کو جانا اور نہ اس کے نام پر قائم ہونے والے رشتہ کی اہمیت کو۔ کاش مسلمان وقت کی اس اہم ترین ضرورت کی طرف توجہ فرماتے اور اسے پوری کرنے کا جتن کر کے اپنی طاقت وقوت کو بحال کرتے، وما توفيقي إلا بالله۔ ☆☆

افتتاحیہ

منہج سلف اوراس کے خصائص

شیخ مال اللہ فرح کہتے ہیں کہ علامہ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ سلفیت بطور منہج کیا ہے، اس کی جانب ہمارا انتساب کیسا ہے، جو اس کی جانب انتساب نہ کرے کیا ہمیں اس کی نکیر کرنی چاہئے یا کلمۂ سلفی وغیرہ کی جانب انتساب کا انکار کیا جائے تو علامہ موصوف نے اس کے جواب میں فرمایا کہ نبی ﷺ اور صحابہ کرام کے منہج کی اتباع سلفیت ہے، اس لیے کہ وہ ہمارے سلف اور ہم سے پہلے گذرے ہوئے لوگ ہیں، لہذا ان کی اتباع سلفیت ہے، البتہ سلفیت کو ایک مخصوص منہج بنا کر آدمی منفرد ہو جائے اور اپنے مخالف مسلمانوں کو گو وہ حق پر ہوں گمراہ قرار دینے لگے، تو اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ سلفیت کے خلاف ہے۔ تمام سلف اسلام کی دعوت دیتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کے گرد اکٹھا ہونے کی طرف بلاتے تھے، اور تاویل کے ساتھ جو ان کی مخالفت کرتا اسے وہ گمراہ نہیں ٹھہراتے تھے، ہاں عقائد اس سے مستثنی ہیں، ان میں وہ اپنی مخالفت کرنے والوں کو گمراہ سمجھتے تھے۔

لیکن ہمارے اس دور میں بعض لوگوں نے سلفیت کا منہج اختیار کر کے اپنے ہر مخالف کو گمراہ ٹھہرانا شروع کر دیا، گو وہ مخالف حق پر ہو، ان میں سے بعض نے سلفیت کو اسلام سے انتساب رکھنے والوں کی دیگر احزاب کی طرح ایک حزبی منہج بنالیا، یہی وصف ہے جس کا انکار کیا جائے گا اور اس کا اقرار ممکن نہیں، اور کہا جائے گا سلف صالح کے مذہب کو دیکھو کہ ایسے اختلاف کے متعلق جس میں اجتہاد جائز ہے، ان کے سینوں میں کیسی کشادگی تھی اور ان کا طریقۂ عمل کیا تھا، حتی کہ وہ بڑے مسائل میں اختلاف کرتے تھے، اعتقادی مسائل میں، علمی مسائل میں مثلا کوئی ان میں انکار کرتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا تھا، اور کوئی اس کا قائل تھا، کوئی کہتا تھا کہ قیامت میں جو چیز وزن کی جائے وہ اعمال ہوں گے، بعض کا خیال تھا کہ صحائف اعمال ہی وزن کئے جائیں گے، اسی طرح نکاح، فرائض، عدت، بیوع وغیرہ میں اختلاف کرتے تھے، لیکن وہ ایک دوسرے کو گمراہ نہیں قرار دیتے تھے۔

لہذا سلفیت اس معنی میں کہ وہ ایک خاص حزب بن جائے جس کے خاص امتیازات ہوں اور اس کے افراد اپنے ماسوا کو گمراہ ٹھہرائیں، ایسے لوگوں کا سلفیت سے کوئی واسطہ نہیں۔

لیکن سلفیت جو برحق سلفیت ہے یہ عقیدہ، قول، عمل، اختلاف، اتفاق، باہمی رحمت، باہمی محبت خالصہ میں سلف کے منہج کی اتباع کا نام ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: مسلمانوں کی مثال باہمی خالص محبت، رحمت اور شفقت میں ایک جسم جیسی ہے کہ ایک عضو کو تکلیف ہو تو سارا بدن بخار اور بے خوابی سے بے چین ہو جاتا ہے۔ (صحیح مسلم: ۶۷۵۱) (لقاءات الباب المفتوح السوال: ۱۳۲۲)

منہج سلف کے خصائص درج ذیل ہیں:

(۱) صرف کتاب وسنت صحیحہ سے اس امت کے سلف کے فہم کی روشنی میں اعتقاد کو اخذ کرنا۔

(۲) اس منہج کی اتباع میں انسان کو کوئی اختیار نہیں اگر وہ دنیا میں عزت اور آخرت میں جہنم سے نجات چاہتا ہو۔

(۳) اہل سنت والجماعۃ کے تمام گروہوں کا اس پر اتفاق ہے کہ اس امت کا سب سے بہتر زمانہ- اعمال، اقوال اور اعتقاد میں- پہلا زمانہ ہے، پھر جو ان سے قریب ہیں اس کے بعد جو ان سے قریب ہیں۔

(۴) نص اصل ہے اور عقل تابع ہے، لہذا منہج سلف نصوص وحی کو اولیت کے ساتھ تسلیم کرتے ہوئے عقل کو اس کا حقیقی موقع عمل عطا کرتا ہے، غیبی امور میں غور وفکر سے باز رہتا ہے جن میں عقل کے لیے کوئی گنجائش نہیں، اور یہ کہ شرعی دلائل میں کوئی تعارض نہیں، اس لیے کہ ان کا نزول لوگوں کے درمیان سے اختلاف ختم کرنے کے لیے ہوا ہے، اگر انہیں دلائل میں اختلاف پایا جائے تو ان کے اتارنے میں فتنہ کے سوا کچھ بھی نہ ہوگا، اور کوئی بھی عاقل اس کا قائل نہیں ہوسکتا جو رب کی حکمت اور لوگوں پر اس کی رحمت کو جانتا ہو۔

(۵) توحید کی طرف سب سے پہلے دعوت دینا- حسن اتباع اور عمل کو اللہ وحدہ کے لیے خالص کرکے- اور شرک وبدعت کے ترک کی طرف بلانا، اور دونوں میں پوری قوت صرف کردینا، دونوں کے تقاضوں اور لوازم سے غفلت برتے بغیر، اور اسلامی معاشرے جن مشکلات میں گھرے ہوئے ہیں ان کی روشنی میں اہم فالاہم کے قاعدہ پر عمل کرنا۔

(۶) سلف کا منہج سہل اور واضح ہے، وہ اللہ کے بعد جادۂ مستقیم پر ثابت رکھنے کا ضامن ہے، اہل کلام کا منہج جس تردد اور انحراف کا سبب ہوتا ہے منہج سلف اس سے روکتا ہے۔

(۷) منہج سلف وسطیت اور اعتدال عطا کرتا ہے اور اعتقاد، قول اور عمل میں انحراف سے محفوظ رکھتا ہے۔

(۸) موجودہ وقت میں امت جن امور کی حاجت مند ہے ان میں سے ایک ہے: اپنے اور غیر کے ساتھ انصاف کرنا، خواہ دشمن ہو یا دوست، ضروری ہے کہ تمام شکلوں کی فرقہ بندی اور تعصب سے دور رہا جائے۔

(۹) سلفی منہج اشخاص، جماعات اور تنظیمات سے کہیں زیادہ وسیع تر ہے، یہ وہ اسلام صحیح ہے جو واقع کی سرزمین پر تنفیذ پا چکا ہے اور جس پر اس امت کے سلف نے اتفاق کیا ہے۔

(۱۰) منہج سلف واضح فکر اور واقعیت کا حامل ہے جو علم شرع کی طلب تزکیہ وتربیت اور مسلمان کو ربانی علماء پر مشتمل سلف صالح سے مربوط کرنے کی راہ سے اسلام اور مسلمانوں کے کلمہ کو ایک کرتا اور انہیں متحد کردیتا ہے۔

☆☆☆

حدیث نبوی کی حجیت اوراس کی اہمیت

مولانا محمد مستقیم سلفی

اگر ہمیں یہ یقین ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ہمارا ایمان ہے تو نہ صرف اخلاقی نقطۂ نظر سے بلکہ عقلا بھی ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم اللہ کے رسول ﷺ کی رہنمائی پر آنکھیں بند کر کے بھروسہ کریں، آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ قرآن وحدیث دونوں کا ماخذ وحی الٰہی ہے، چنانچہ علمائے امت نے وحی الٰہی کی دو قسمیں کی ہیں، وحی متلو اور وحی غیر متلو۔

متلو وہ ہے جس کی تلاوت کی جاتی ہے اور وہ قرآن شریف ہے۔ اور غیر متلو وہ ہے جس کی تلاوت نہیں کی جاتی ہے اور وہ حدیث رسول ہے، وحی متلو کا طریق حصول یہ تھا کہ جبرئیل امین علیہ السلام بحکم اللہ تعالی لوح محفوظ سے اخذ کرتے پھر لفظ بلفظ محفوظ کر کے حامل نبوت ﷺ تک پہونچا دیتے تھے، اور وحی غیر متلو یعنی حدیث رسول کا طریق حصول یہ تھا کہ بلا وساطتِ جبرئیل اللہ تعالی کی خود آنحضرت کے قلب مبارک پر مضمون حدیث کا القاء کرتا تھا اور اللہ کے رسول ان مضامین کو اپنے لفظوں میں امت تک پہونچا دیتے تھے، اللہ تعالی نے قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت میں وحی کے ان دونوں طریقوں کا ذکر واضح طور پر کیا ہے۔

﴿إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِن بَعْدِهِ وَأَوْحَيْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَعِيسَى وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَارُونَ وَسُلَيْمَانَ وَآتَيْنَا دَاوُدَ زَبُوراً﴾ (النساء:۱۶۳)

یقیناً ہم نے آپ کی طرف اسی طرح وحی کی ہے جیسے کہ نوح علیہ السلام اور ان کے بعد والے نبیوں کی طرف کی، اور ہم نے وحی کی ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر اور عیسی اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف اور ہم نے داود (علیہم السلام) کو زبور عطا کی۔

اس آیت میں آنحضرت ﷺ کی وحی کو حضرت نوح کے بعد آنے والے تمام انبیاء سے تشبیہ دی گئی ہے، ان میں حضرت ابراہیم، حضرت عیسی، حضرت داود علیہم السلام کے سوا باقی انبیاء کے متعلق کسی کتاب کا ذکر نہیں، ان کی وحی از قسم سنت ہی ہے، آنحضرت ﷺ کی وحی کو جب وحی متلو اور غیر متلو دونوں قسم کی وحی سے تشبیہ دی گی ہے، تو ظاہر ہے کہ آنحضرت پر دونوں قسم کی وحی نازل فرمائی گئی، اور دونوں کی حفاظت کی ذمہ داری قیامت تک کے لیے اللہ تعالی نے خود ہی لے لی ہے، چنانچہ اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿إنا نحن نزلنا الذكر وإنا له لحافظون﴾ (الحجر:۹) ہم نے ہی اس ذکر کو نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ اللہ تعالی نے اس آیت میں ''ذکر'' (یعنی یاددہانی اور حفاظت) کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے، جس

سے صاف طور پر ظاہر ہے کہ قرآن مجید کے ساتھ نبی ﷺ کی سیرت کے تابندہ نقوش اور آپ کے فرمودات (یعنی وحی غیر متلو) کو بھی محفوظ کر کے قیامت تک کے لیے باقی رکھا ہے، گویا قرآن کریم اور سیرت نبوی ﷺ کے حوالہ سے لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے کا راستہ ہمیشہ کے لیے کھلا ہوا ہے، یہ شرف اور محفوظیت کا مقام پچھلی کسی بھی کتاب اور رسول کو حاصل نہیں ہوا۔

اس آیت میں ''ذکر'' سے مراد جن لوگوں نے صرف قرآن مجید کو لیا ہے، ان کی تردید کرتے ہوئے علامہ ابن حزم فرماتے ہیں:

"هذه دعوى كاذبة مجردة من البرهان، وتخصيص للذكر بلا دليل، وما كان هكذا فهو باطل لقوله تعالى: "قل هاتوا برهانكم ان كنتم صادقين" (البقرة:١١١) فصح ان لا برهان له على دعواه، فليس بصادق فيها، والذكر اسم واقع على كل ما أنزل الله على نبيه ﷺ من قرآن أو من سنة، وحتى يتبين بها القرآن، وأيضا فان الله تعالى يقول: "وأنزلنا اليك الذكر لتبين للناس ما نزل إليهم" فصح انه عليه السلام مأمور ببيان القرآن للناس، وفي القرآن مجمل كثير كالصلوة والزكوة والحج وغير ذلك مما لا نعلم ما ألزمنا الله تعالى فيه بلفظه، لكن ببيان رسول الله ﷺ، فإذا كان بيانه عليه السلام لذلك المجمل غير محفوظ ولا مضمون سلامته مما ليس منه، فقد بطل الانتفاع بنص القرآن فبطلت أكثر الشرائع المفترضة علينا فيه، فإذا لم ندر صحيح مراد الله تعالى منها"۔ (الأحكام في أصول الأحكام ج ١ ص ١١٨، مطبع دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

یعنی یہ جھوٹا دعوی ہے جس کی کوئی دلیل نہیں ہے، اور ذکر کی تخصیص صرف (قرآن کے ساتھ) بلا دلیل ہے، ہر وہ چیز جسے اللہ تعالی نے اپنے نبی ﷺ پر نازل کیا ہے وہ ذکر ہے، قرآن ہو یا سنت جو کہ قرآن مجید کو بیان کرنے کے لیے آپ پر اتاری گئی ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے: "وأنزلنا اليك الذكر لتبين للناس ما نزل اليهم" یعنی ہم نے آپ پر ذکر اس لیے اتارا ہے تا کہ آپ لوگوں کے لیے ان پر نازل شدہ کتاب کو بیان کریں، اس آیت سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کے لیے قرآن کی تشریح وتوضیح کرنے پر مامور ہیں، چونکہ قرآن کریم میں نماز، زکوۃ حج وغیرہ بہت سے احکام مجمل ہیں، جن کی تفصیل اللہ نے اپنے الفاظ میں بیان نہیں کی ہے، بلکہ رسول اللہ ﷺ نے ان تمام احکامات کی جزئیات کی وضاحت فرمائی ہے، اب اگر اس اجمال کی تفصیل (احادیث رسول) محفوظ نہیں، اور اس میں کسی غیر چیز کی آمیزش سے سلامتی کی کوئی ضمانت نہیں، تو نصوص قرآن سے استفادہ کرنا ناممکن ٹھہرے گا، اور بہت سے شرعی احکام جو ہم پر فرض ہیں باطل ہو جائیں گے، کیونکہ ہم معلوم نہیں کر سکیں گے کہ اس سے صحیح طور پر اللہ کی کیا مراد ہے۔ اور یہ ناممکن ہے کہ قرآن کریم حسب وعدہ الٰہی قیامت تک محفوظ رہے مگر اس کی پیغمبرانہ شرح گم ہو جائے یا محفوظ نہ رہے، قرآن کریم کا دنیا میں بطور ذکر وہدایت محفوظ رہنے

کے لیے ضروری ہے کہ قرآن مجید تمام متعلقات کے ساتھ محفوظ رہے، یعنی عربی زبان، عربی قواعد اور سنت رسول بھی قرآن مجید کے ساتھ تا ابد محفوظ رہے۔

اگر ہدایت بنی نوع انسان کے لیے قرآن مجید کے علاوہ سنت رسول کی ضرورت نہ ہوتی تو پھر نزول قرآن کے لیے تیئس سال کی طویل مدت کی ضرورت نہ ہوتی، یہ کام چند مہینوں میں انجام پذیر ہوسکتا تھا، نبی ﷺ جبرئیل علیہ السلام سے سن کر محفوظ کر لیتے اور صحابہ کرام کو مختصر عرصہ میں حفظ کرا دیتے، لیکن یہ حقیقت مسلم ہے کہ قرآن مجید کی تعلیم اور اس کا نزول بتدریج ہوا، اور تیئس سال کی طویل مدت میں پایۂ تکمیل کو پہونچا، کیونکہ قرآن مجید کتاب کی صورت میں ایک جامع اور مختصر ہے، لیکن پیغمبرانہ شرح اور سنت رسول اس کے ساتھ شامل کی گئی تو یہی مختصر کتاب دینی تکمیل اور تشریح کے لیے تیئس سال کی طویل مدت کی محتاج ہوگئی، اور یہ صرف اس لیے کہ قرآن مجید کے ساتھ سنت رسول کو زندہ رکھنا اللہ کو منظور تھا۔

تدوین حدیث

منکرین حدیث نے عوام میں یہ پھیلا دیا ہے کہ حدیث کی صحت اس لیے مشکوک ہے کہ آنحضرت ﷺ کے دو ڈھائی سو سال بعد حدیث نبوی کی تدوین ہوئی ہے، اس میں ایک فریب ہے جسے سمجھ لینا چاہئے، سوال یہ ہے کہ خلافت راشدہ سے لیکر بنوامیہ کے اس دور تک جس میں احادیث کی ترتیب وتدوین ہوئی مسلمانوں کے دینی معمولات کی بنیاد حدیث وسنت رسول تھی یا نہیں؟ اگر تھی اور قطعی طور پر تھی تو ماننا پڑے گا کہ اس وقت بھی احادیث کی تعلیم وتدریس کے مراکز موجود تھے اور مسلمانوں کے روزمرہ کی زندگی اسوہ رسول سے بے نیاز نہیں ہوئی تھی، بلکہ ہر نزاع پر نبی ﷺ کے اقوال وافعال اور ارشادات سے استفادہ کیا جاتا تھا۔

منکرین حدیث کا مفروضہ کلیہ بالکل غلط ہے کہ احادیث رسول کی تدوین ایک عرصہ کے بعد ہوئی۔ اگر آپ احادیث وسیر کی کتابوں پر غیر جانبدارانہ نظر ڈالیں گے تو آپ کو معلوم ہوجائے گا کہ تحریر وتسوید کی بنیاد آنحضرت ﷺ اپنی زندگی ہی میں ڈال چکے تھے، اس کے بعد صحابہ کرام نے یہ فریضہ انجام دیا اور تابعین عظام تو گروہ در گروہ اس پر ٹوٹ پڑے، اب ترتیب وار مندرجہ ذیل حوالوں ودلیلوں پر غور کیجئے جس سے ہمارے دعوی کی تصدیق ہوتی ہے۔

کتابت حدیث بزمانۂ رسول ﷺ

(۱) عن عبد الله بن عمرو بن العاص قال قال النبي ﷺ قيدوا العلم، قلت وما تقييده قال كتابته۔ (۱) عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: علم کو قید کرلو، میں نے کہا کیونکر، فرمایا لکھ کر۔

(۲) ایک کتابچہ لکھ کر خود نبی ﷺ نے یمن والوں کے پاس بھیجا تھا:

عن عبد الله بن عمرو عن النبي ﷺ انه كتب الى أهل اليمن بكتاب فيه الفرائض والسنن

(۱) مستدرک حاکم ج ۱ ص ۱۰۶۔

والديات وبعث مع عمروبن حزم۔(۱) آنحضرت ﷺ نے اہل یمن کے پاس عمرو بن حزم کی معرفت ایک کتاب تحریر کرکے بھیجا جس میں فرائض، سنن اور دیات کی تفصیل تھی۔

(۳) اسی طرح ایک اور کتاب جو زکوۃ سے متعلق ہے اپنے عمال کے پاس بھیجنے کے لیے آپ نے لکھوائی تھی جو کتاب الصدقہ سے مشہور ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں: كتب رسول الله ﷺ كتاب الصدقة فلم يخرجه إلى عماله حتى قبض، فقرنه بسيفه فعمل به أبوبكر حتى قبض ثم عمل به عمر حتى قبض، وفي رواية وهي عند آل عمر بن الخطاب، قال الزهري أقرانيها سالم بن عبد الله بن عمر فوعيتها على وجهها وهي التي انتسخ عمر بن عبد العزيز۔ (۲)

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صدقہ (زکوۃ) سے متعلق ایک کتاب لکھوائی اور اپنے عاملین کے پاس نہ بھیج سکے کہ آپ کا انتقال ہوگیا، پس رکھ دیا گیا اسے آپ کی تلوار کے نیام میں، پس عمل کیا اس پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہاں تک کہ وہ بھی وفات پا گئے پھر عمل کیا اس پر عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے، یہاں تک کہ وہ بھی وفات پا گئے، پھر یہ کتاب ان کے خاندان میں محفوظ رہی، یہی کتاب آپ کے پوتے سالم نے امام زہری کو پڑھنے کے لیے دی، امام زہری فرماتے ہیں کہ میں اسے ان کے سامنے ہی یاد کرلیا اور یہی وہ نسخہ ہے جس کی عمر بن عبدالعزیز نقل کرائی۔

(۴) مکہ مکرمہ کی عزت وحرمت سے متعلق آپ نے خطبہ دیا تو سامعین میں سے ایک شخص ابوشاہ نے آپ سے درخواست کی کہ مجھے یہ لکھوا دیجئے، آپ نے اس کو لکھنے کا حکم دیا: اكتبوا لأبي شاه۔ (۳) یعنی ابوشاہ کو یہ حدیث لکھ دو۔

(۵) یہود مدینہ سے جو معاہدہ ہوا اسے ضبط تحریر میں لایا گیا۔

كتب النبي ﷺ كتابا وادع فيه يهود۔ (۴) آنحضرت ﷺ نے ایک دستاویز لکھوائی جس میں یہودیوں سے صلح کے شرائط مرقوم تھے۔

(۶) شاہان عجم کو آپ نے دعوتی پیغام بھیجا، جس کے نسخے بھی مل گئے اور چھپ بھی گئے۔

ان النبي ﷺ كتب الى كسرى والى قيصر والى النجاشي والى كل جبار يدعوهم الى الله تعالى۔(۵) یعنی نبی ﷺ نے کسری، قیصر، نجاشی اور دیگر بڑے لوگوں کے پاس خط بھیجا جن میں انہیں اللہ کی طرف (یعنی

(۱) مستدرک حاکم ج۱ص۳۹۵۔ (۲) مستدرک حاکم ج۱ص۳۹۲-۳۹۳۔

(۳) مسلم کتاب الحج باب تحریم مکۃ وتحریم صیدھا، وبخاری کتاب اللقطۃ، باب کیف تعرف لقطۃ اھل مکۃ۔

(۴) سیرۃ ابن ہشام ج۲ص۵۰۱۔

(۵) مسلم کتاب الجہاد، باب کتب النبی ﷺ الی ملوک الکفار یدعوھم الی الاسلام۔

توحید کی طرف) دعوت دی گئی، اسی طرح دور نبوی میں حدیث لکھنے کے ثبوت اور بھی ہیں۔ یہاں مختصراً ذکر کیا گیا ہے۔

صحابہ وتدوین حدیث

صحابہ کرام نے اس سلسلہ میں کم جدوجہد اور اہتمام نہیں کی، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے مرویات کی تعداد ۵۳۷۴ تک پہونچتی ہے، ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی دو ہزار سے زیادہ حدیثیں مروی ہیں، جابر بن عبداللہ کے شغف حدیث کا اندازہ اس سے کیجئے کہ ان کو جب یہ معلوم ہوا کہ عبداللہ جہنی کے پاس ایک حدیث رسول ہے، تو انہوں نے صرف ایک حدیث سننے کے لیے اونٹ خریدا، ایک مہینہ کی مسافت طے کر کے شام پہونچے اور حدیث کی سماعت کر کے واپس آ گئے۔ (حجیت حدیث نمبر ص ۸۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پہلے تو ہمیشہ تدوین حدیث سے پہلوتہی کرتے تھے، لیکن بعد میں حدیثوں کی کتابت شروع کر دی، چنانچہ حدیث کی متعدد کتابیں مدون فرمائیں، بشر بن نہیک کا بیان ہے کہ میں حضرت ابو ہریرہ سے ان کی ترتیب دی ہوئی کتب حدیث لے کر نقل کیا کرتا تھا۔ (۱) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بھی ۴۰ھ میں ایک ضخیم کتاب احکام مواریث لکھی تھی، یہ کتاب ترتیب وتالیف کے لحاظ سے اعلی درجہ کی تدوین تھی۔ (۲) امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے کاتبوں کو حکم دے رکھا تھا کہ حدیث لکھو تو اسناد کے ساتھ لکھو۔ (۳) حضرت عبداللہ بن عباس کے پاس حدیث کے متعدد رسالے تھے۔ (۴) عبداللہ بن ابی اوفی کے پاس حدیث کا ایک رسالہ تھا۔ (۵) وغیرہ وغیرہ۔

تدوین حدیث بزمانۂ تابعین

صحابہ کرام کی تدوین حدیث کا ایک اجمالی تذکرہ پیش کیا جا چکا ہے، تابعین عظام نے تدوین حدیث میں اور زیادہ توجہ دی اور انتہائی انہماک ومحنت وجانفشانی کے ساتھ انجام دیا، ان حضرات میں شاید ہی کوئی ایسی ہستی ہو جس کے پاس احادیث نبویہ کی کتابیں نہ ہوں، لیکن بلا ترتیب جمع کر لیتے تھے، جیسا کہ ہمام بن منبہ یمانی نے حضرت ابو ہریرہ کی روایات میں سے ایک سو چالیس احادیث رسول کو ایک صحیفہ میں جمع کر رکھی تھی، یہ تمام ارشادات نبویہ مسند امام احمد ج ۲ ص ۳۱۲ میں ایک جگہ اور صحیحین وغیرہ میں متفرق طور پر مندرج ہیں۔

امام ابن شہاب زہری کے حافظہ کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ ہشام بن عبدالملک نے ان سے درخواست کی وہ ولی عہد کے لیے احادیث نبویہ جمع کر کے میرے پاس بھیج دیں، انہوں نے چار سو احادیث رسول کو لکھوا کر بھیج دیا، ایک ماہ کے بعد

(۱) ترمذی ص ۵۶۔ (۲) السنن الکبری للبیہقی ج ۶ ص ۲۴۸۔
(۳) مستدرک حاکم۔ (۴) ترمذی کتاب العلل۔
(۵) بخاری کتاب الجہاد باب الصبر علی القتال۔

ہشام بن عبدالملک امتحاناً ان سے کہنے لگا کہ احادیث رسول کا وہ مجموعہ گم ہوگیا ہے تو انہوں نے فوراً دوبارہ لکھوادیا، بعد میں ان دونوں مجموعوں میں مقابلہ کیا گیا تو ایک حرف کا بھی فرق نہ تھا، ان کی مرویات کی تعداد دو ہزار سے اوپر ہے۔(۱)

مرویات سلیمان بن مہران معروف بہ اعمش محدث کی مرویات کی تعداد چار ہزار تک پہونچتی ہے، امام ابن شہاب زہری اہل عراق کے علم کے قائل نہ تھے، ایک مرتبہ اسحاق بن راشد نے ذکر کیا کہ کوفہ میں ایک لڑکا ہے جسے چار ہزار حدیثیں یاد ہیں، امام زہری نے تعجب سے پوچھا چار ہزار، کہاں ہاں چار ہزار، اگر آپ چاہیں تو میں ان کی لکھوائی ہوئی حدیثیں آپ کے سامنے پیش کروں، پھر انہوں نے اعمش کی مرویات کا ایک مجموعہ ان کے سامنے پیش کردیا، امام زہری نے اسے پڑھ کر بولے خدا کی قسم علم اسے کہتے ہیں، مجھے معلوم نہ تھا کہ کسی دوسرے کے پاس حدیث کا اتنا بڑا ذخیرہ محفوظ ہوگا۔(۲)

خلیفۂ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز نے تدوین حدیث پر خاص طور پر توجہ دی، اور احادیث رسول کو قلمبند کرنے کے لیے ملک کے اطراف وجوانب میں احکام صادر فرمائے، قاضی ابوبکر بن حزم عامل مدینہ کو لکھا کہ احادیث کو تلاش وجستجو کرا کے ان کو حوالہ قرطاس کرلو کیونکہ حفاظ حدیث دنیا سے اٹھتے جارہے ہیں، اور مجھے خوف ہے کہ احادیث کا بڑا حصہ علماء کے ساتھ دفن ہوجائے گا، لیکن قلم بند کرنے کے لیے صرف رسول اکرم ﷺ کی حدیثیں انتخاب کی جائیں۔(۳)

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے جن علمائے کرام کو تدوین حدیث کی خدمت پر مامور فرمایا ان میں ایک سعد بن ابراہیم بھی تھے، ان کا بیان ہے کہ ہم نے امیر المومنین کا حکم پانے کے بعد دفتر کے دفتر حدیثیں قلم بند کیں، اور خلیفہ نے ان کا ایک مجموعہ اپنے ممالک محروسہ کے بڑے بڑے شہروں میں بھجوادیا۔(۴)

سلیمان بن سمرہ تابعی نے اپنے والد محترم حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے حدیثوں کا ایک لکھا ہوا مجموعہ روایت کیا۔(۵)

مندرجہ بالا بیان سے عیاں ہے کہ عہد نبوی اور عہد صحابہ ہی سے تدوین احادیث رسول کا کام شروع ہوچکا تھا، جس کی تکمیل حضرت عمر بن عبدالعزیز کے ایماء سے امام ابن شہاب زہری کے ہاتھوں ہوئی، پھر دوسری صدی ہجری میں عالم اسلام کے اکثر دیہاتوں اور شہروں میں تدوین حدیث کا کام نہایت اعلی پیمانہ پر ہوا، جیسے مدینہ منورہ میں امام دارالہجرۃ امام الائمۃ مالک بن انس (۹۳-۱۷۹ھ) یمن میں امام معمر بن راشد (متوفی ۱۵۳ھ) شام میں امام اوزاعی (متوفی ۱۵۷ھ) کوفہ میں امام سفیان ثوری (متوفی ۱۶۱ھ) خراسان میں امام عبداللہ بن مبارک (متوفی ۱۸۱ھ) وغیرہم جیسے نامور اور شہرۂ آفاق محدثین

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج۱ص۱۱۰۔ (۲) طبقات ابن سعد ج۶ص۲۳۹۔
(۳) صحیح بخاری، کتاب العلم، باب کیف یقبض العلم۔ (۴) جامع بیان العلم ص۷۶۔
(۵) تہذیب التہذیب ج۱۱ص۱۴۷۔

نے حدیث کی کتابیں تالیف کیں، اور تیسری صدی ہجری میں تالیف وتدوین کا کام بڑے پیمانہ پر ہوا، ائمہ حدیث نے بڑی محنت وجانفشانی سے حدیثوں کے متون واسناد میں چھان بین اور تحقیق وتنقید کے بعد کتابیں تیار کیں، مسند احمد بن حنبل (متوفی ۲۴۱ھ) مسند ابن ابی شیبہ (متوفی ۲۳۵ھ) اس عہد کے اہم مسانید ہیں، اس دور کی زیادہ تر اہمیت کے حامل یہ ہے کہ صحاح ستہ یعنی بخاری، مسلم، سنن ابی داود، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ جیسی اہم کتابوں سے عالم اسلام روشناس ہوا۔

مختصر یہ کہ حجیت حدیث سے انکار کرنے والے حضرات نہ صرف قوموں کی نفسیات کے رد وقبول سے ناواقف ہیں، بلکہ مغرب کے اندھے مقلد اور مستشرقین کی سازش کے شکار ہیں، یہ لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ حدیث رسول کو نہ ماننے والوں پر قرآن مجید کے اندر کس قدر وعید آئی ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُونَ بِاللّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيْدُونَ أَن يُفَرِّقُواْ بَيْنَ اللّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيْدُونَ أَن يَتَّخِذُواْ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيْلاً ، أُوْلَـئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقّاً وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِيْنَ عَذَاباً مُّهِيْناً (151)وَالَّذِيْنَ آمَنُواْ بِاللّهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُواْ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ أُوْلَـئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ أُجُورَهُمْ وَكَانَ اللّهُ غَفُوراً رَّحِيماً﴾ (النساء:۱۵۰-۱۵۲)

جس تفریق کو یہاں قطعی طور پر کفر کہا گیا ہے وہ تفریق فی الاطاعت ہے، منافقین کی سیرت کا تذکرہ اس انداز سے کیا گیا ہے: ﴿وَإِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْاْ إِلَى مَا أَنزَلَ اللّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِيْنَ يَصُدُّونَ عَنكَ صُدُوداً﴾ (النساء:٦١)

منافقین کا خیال تھا کہ خدا اور رسول بلحاظ اطاعت تفریق قائم رہے، رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کو جب حجت اور اطاعت سے گرادیا جائے گا تو سنت کی تفصیلات سے نجات مل جائے گی اور زندگی کی آوارگیوں کے لیے گنجائش نکل آئے گی مگر قرآن کریم نے یہ فیصلہ دے دیا کہ یہ قطعی کفر ہے۔ یعنی قول اللہ وقول رسول میں فرق کرنے والا قطعی طور پر کافر ہے۔ مسئلہ واضح ہے کہ کتاب اللہ وسنت رسول اللہ میں حجیت وتشریعیت کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے۔ اب آپ کو اختیار ہے چاہے آپ ہدایت کا راستہ اختیار کیجئے یا کفر کا۔

☆☆☆

آپ ﷺ کی شفقت ورحمت

(۴)

محمد اسلم مبارک پوری

نبی ﷺ کی تواضع وخاکساری:

نبی ﷺ حد درجہ متواضع اور خاکسار تھے ایسے متواضع جس میں دنائت نہ تھی۔ ایسے خاکسار جس میں تکبر نہ تھا۔ آپ بہت خندہ رواور ملنسار تھے۔ منکسر المزاج تھے۔ آپ نہ ترش رو تھے اور نہ ہی آپ کے اندر درشتی تھی۔ اپنی تواضع وخاکساری کی وجہ سے آپ دنیا کی طرف مائل نہ ہوئے اور نہ ہی اس کی زینت وزخرف کی خواہش آپ کے دل میں پیدا ہوئی۔ آپ صرف اللہ کی طرف لو لگاتے تھے۔ اور دار آخرت پر یقین رکھتے تھے۔ ﴿والآخرة خير و أبقى﴾ (سورۃ الاعلی: ۱۷) اس لیے کہ آخرت بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔ آخرت میں کامیابی وکامرانی آپ کی زندگی کا اصل سرمایہ، اور آپ کا مطمح نظر تھا۔ اس لیے برے اخلاق، برے عادات، برے اعمال، بری خواہشات اور بری بیماریوں سے آپ ﷺ ہمیشہ محفوظ رہنے کی دعا کرتے تھے۔

"اللهم جنبني منكرات الأخلاق والأعمال والأهواء والأدواء(۱) الٰہی! مجھے برے اخلاق، برے اعمال، بری خواہشات اور بری بیماریوں سے بچا۔

آپ ﷺ نے ہمیشہ دنیا سے بے رغبت اور کنارہ کش ہوکر زندگی گذاری ہے۔ اپنے اہل وعیال اور امت کو بھی اسی کا درس دیا ہے، آپ ﷺ اپنے اہل وعیال کے بارے میں یہ دعا کرتے تھے:

اللهم اجعل رزق آل محمد قوتا (۲) اے اللہ! محمد (ﷺ) کے گھر والوں کو صرف اتنی روزی دے جس سے ان کے جسم کا رشتہ برقرار رہ سکے۔

اور اپنی امت کو یہ درس دیتے ہوئے فرمایا:

من أصبح منكم آمنا في سربه، معافى في جسده، عنده قوت يومه، فكأنما حيزت له الدنيا بحذافيرها (۳) جو شخص تم میں سے اس حال میں صبح کرے کہ وہ اپنے گھر یا قوم میں امن سے ہو، جسمانی لحاظ سے تندرست ہو، اور ایک دن کی خوراک اس کے پاس موجود ہو تو گویا اس کے لیے دنیا اپنے تمام تر ساز وسامان کے ساتھ جمع کردی گئی ہے۔

اور آپ ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) ترمذی (۳۵۹۱) حاکم (۵۳۲/۱) وقال: صحیح الاسناد، بروایت قطبہ بن مالک رضی اللہ عنہ۔

(۲) بخاری (۶۴۶۰) مسلم (۱۲۶) (۱۰۵۵) بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔

(۳) ترمذی (۲۳۴۶) ابن ماجہ (۴۱۴۱) بروایت عبداللہ بن محصن رضی اللہ عنہ، ضعف راوی کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہے، اپنے شواہد کی وجہ سے حسن درجہ کو پہنچتی ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: الصحیحۃ (۲۳۱۸) اور ہدایۃ الرواۃ (۱۵/۵) تحقیق الالبانی رحمہ اللہ۔

قد أفلح من أسلم، ورزق كفافا، وقنعه الله بما آتاه (۱)

وہ شخص کامیاب ہوگیا جو اسلام لایا، اور اسے اتنی روزی دی گئی جس سے اس کے جسم کا رشتہ برقرار رہا۔ اور اللہ تعالی نے اسے جو کچھ دیا ہے اس میں اسے قناعت دی۔

ابو محمد فضالہ بن عبید انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

طوبى لمن هدي إلى الإسلام وكان عيشه كفافا، وقنع (۲)

بشارت ہے اس شخص کے لیے جسے اسلام کی طرف ہدایت ملی، اور اس کی روزی بقدر گذارہ تھی۔ اور اسے اسی روزی پر قناعت ہوئی۔

ابن بطال کہتے ہیں: تواضع وانکساری انبیاء کرام کے اخلاق کریمانہ میں سے ہیں۔ اور عیش وتنعم کی زندگی سے دوری اور بے رغبتی ان کا خاص وصف ہے (۳)۔

آپ ﷺ خندہ رو، ملنسار، اکثر خاموش رہنے والے، اللہ کو بکثرت یاد کرنے والے، لغویات سے دور، بیہودہ پن سے نفور، بہترین رائے اور عقل والے تھے۔

نبی کریم ﷺ کے اخلاق واوصاف کی بنسبت حجۃ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

نبی اکرم ﷺ مویشی کو خود چارہ ڈال دیتے۔ اونٹ باندھتے۔ گھر میں صفائی کر لیتے۔ بکری دوہ لیتے۔ خادم کے ساتھ بیٹھ کر کھا لیتے۔ خادم کو اس کے کام کاج میں مدد دیتے۔ بازار سے چیز خود جا کر خرید لیتے۔ خود اسے اٹھا لاتے۔ ہر ادنی واعلی، خرد وبزرگ کو سلام کرتے۔ جو کوئی ساتھ ہو لیتا اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر چلا کرتے۔ غلام وآقا، حبشی وترکی میں ذرا تفاوت نہ کرتے۔ رات دن کا لباس ایک ہی رکھتے۔ کیسا ہی کوئی حقیر شخص دعوت کے لیے کہتا، قبول فرما لیتے۔ جو کچھ سامنے رکھ دیا جاتا، اسے برغبت کھاتے۔ رات کے کھانے میں صبح کے لیے اور صبح کے کھانے میں شام کے لیے اٹھا نہ رکھتے۔ نیک خو، کریم الطبع، کشادہ رو تھے مگر ہنستے نہ تھے۔ اندوہگیں تھے، مگر ترش رو نہ تھے۔ متواضع جس میں دنائت نہ تھی۔ باہیبت جس میں درشتی نہ تھی۔ سخی تھے، مگر اسراف نہ تھا۔ ہر ایک پر رحم فرمایا کرتے، کسی سے کچھ طمع نہ کرتے، سر مبارک کو جھکائے رکھتے تھے (۴)۔

ان اوصاف جلیلہ، اخلاق نبیلہ کی وجہ سے آپ ﷺ کو رفعت کمال حاصل تھا: ﴿ورفعنالك ذكرك﴾ (سورۃ الشرح:۴) اور ہم نے آپ کے ذکر کو بلند کیا۔

---

(۱) مسلم (۱۰۵۴/۱۲۵) بروایت عبداللہ بن عمرو بن العاص، رضی اللہ عنہ۔

(۲) ترمذی (۲۳۵۰) بسند قوی۔ (۳) فتح الباری (۴۷۶/۱۰)

(۴) کیمیائے سعادت (ص ۲۸۰) مطبوعہ نول کشور، ۱۸۸۲ء۔

تواضع ہی کی وجہ سے آپ ﷺ منصب نبوت کے مستحق بنے۔آپ ﷺ نے فرمایا:

"ما زاد الله عبدا بعفو إلا عزا، وما تواضع أحد لله إلا رفعه الله تعالى (۱)۔

اللہ تعالی اس شخص کو جو درگزر کرتا ہے،عزت دیتا ہے۔اور جو کوئی اللہ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالی اسے بلندی عطا کرتا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالی نے نبی ﷺ کے پاس جبرئیل کی معیت میں ایک فرشتہ بھیجا۔وہ فرشتہ آپ سے گویا ہوا: إن الله يخبرك أن تكون عبدا نبيا وبين أن تكون ملكا. اللہ تعالی آپ کو اختیار دیتا ہے کہ آپ ایک نبی بنیں یا ایک بادشاہ بنیں۔یہ سننے کے بعد نبی ﷺ جبرئیل کی طرف متوجہ ہوئے،گویا کہ ان سے مشورہ طلب کررہے ہیں۔جبرئیل نے آپ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: أن تواضع کہ آپ تواضع وخاکساری اختیار کریں۔تواضع وخاکساری کا تقاضا ہے کہ آپ عہدۂ نبوت سے سرفراز ہوں گے۔اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا:

بل أكون عبدا نبيا (میں بادشاہ نہیں) بلکہ نبی بنوں گا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:اس کے بعد نبی ﷺ نے کبھی بھی ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھایا۔(۲)

آپ ﷺ کی تواضع ہی تھی کہ آپ خچر اور گدھے کی سواری کرتے،اور پیچھے دوسروں کو سوار کر لیتے۔مشرکوں،مسکینوں، مریضوں اور بچوں کے ساتھ کھانا کھاتے،اور ان کی عیادت فرماتے،تیمارداری کرتے،چھوٹوں کو سلام کرتے،بڑوں کی خاطر ومدارات کرتے،اور گالی کا جواب سلامتی سے دیتے،آپ کی تواضع ہی تھی کہ آپ ﷺ نے کبھی ریشمی کپڑا زیب تن نہیں فرمایا،بلکہ اسے دوسروں کو ہدیہ دے دیا۔

آپ ﷺ نے ہمیشہ اپنی امت کو تواضع وانکساری اختیار کرنے کی ترغیب دی ہے۔باوجود بلند مرتبہ اور بلند شان ہونے کے،انسان کا اپنے آپ کو دوسروں کے مقابلہ میں بڑا نہ سمجھنا،اور لوگوں کو حقیر تصور نہ کرنا ہی تواضع ہے۔تواضع وانکساری سے انسان دوسروں کو اپنا دوست اور ہمنوا بنالیتا ہے۔اور تکبر وغرور سے لوگوں کو اپنے سے متنفر کرلیتا ہے۔

حدیث میں ہے:

إن الله تعالى أوحى إليّ أن تواضعوا، حتى لا يبغي أحد على أحد، ولا يفخر أحد على أحد۔ (۳) اللہ تعالی نے مجھ پر وحی نازل فرمائی ہے کہ (تم سب لوگ) تواضع وانکساری اختیار کرو۔یہاں تک کہ کوئی دوسرے پر زیادتی نہ کرے اور نہ کوئی دوسرے پر فخر کرے۔

---

(۱) مسلم (۲۵۸۸/۶۹) بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔

(۲) نسائی کبری (۷۱/۴ احدیث ۶۷۴۳) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو (الصحیحۃ: ۱۰۰۲)

(۳) مسلم (۲۸۶۵/۶۴) بروایت عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ۔

آگے سطور میں نبی ﷺ کی تواضع وخاکساری کے چند مظاہر بیان کیے جارہے ہیں، تاکہ آپ کی امت دنیاوی زندگی میں اسے اسوہ اور مشعل راہ بنائے۔

۱-دعوتی سرگرمیوں میں نبی ﷺ کی تواضع وخاکساری کے نمونے:

جب تک نبی ﷺ مکہ میں رہے لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دیتے رہے۔آپ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہنے والوں میں غرباء ومساکین تھے۔اور یہی لوگ بکثرت آپ کی اتباع کرنے والے، اور اسلام کے لیے سر کٹانے والے تھے۔اس کا اہم سبب آپ ﷺ کی تواضع وخاکساری اور انکساری تھی۔آپ کی ان کے ساتھ نرمی اور حد درجہ کی شفقت تھی۔اس چیز کا اعتراف ابوسفیان بن حرب نے اس وقت کیا جب ہرقل نے اسے اپنے دربار میں بلا کر سوال کیا۔

ہرقل نے پوچھا: فأشراف الناس يتبعونه أم ضعفاؤهم؟ محمد کے ماننے والے مسکین غریب لوگ ہیں یا سردار وقوی لوگ۔

ابوسفیان بن حرب نے جواب دیا: مسکین حقیر لوگ۔

پھر پوچھا: أيزيدون أم ينقصون؟ ان لوگوں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے یا کم ہورہی ہے۔

ابوسفیان نے جواب دیا: بڑھ رہی ہے۔

سوال وجواب کے اخیر میں ہرقل نے کہا:

ہر ایک نبی کے ماننے والے پہلے مسکین وغریب لوگ ہی ہوتے ہیں، پھر دھیرے دھیرے ان کی تعداد بڑھتی رہتی ہے۔اور ایمان کا خاصہ ہے کہ آہستہ آہستہ بڑھتا ہے، اور حد کمال تک پہنچ جاتا ہے۔

اس طرح نبی ﷺ نے سماج کے دبلے کچلے لوگوں کو اسلام کے ذریعہ علو وسربلندی عطا کی اور انہی طبقوں میں اپنی دعوت کا آغاز کرتے ہوئے انہیں عروج عطا کیا۔یہ سماج کے وہ افراد تھے جو زمین میں نہ فساد کرتے اور نہ ہی مکر وفریب کا جال بنتے، بلکہ وہ ایسے نفوس طیبہ اور برگزیدہ افراد تھے جن کی مدح وستائش اللہ تعالی نے ان الفاظ میں کی ہے:

﴿واصبر نفسك مع الذين يدعون ربهم بالغداة والعشي يريدون وجهه، ولا تعد عيناك عنهم تريد زينة الحياة الدنيا﴾ (سورۃ الکہف:۲۸) (اے نبی ﷺ) اپنے آپ کو انہیں کے ساتھ رکھا کر، جو اپنے پروردگار کو صبح وشام پکارتے ہیں، اور اسی کے چہرے کے ارادے رکھتے ہیں۔خبردار! تیری نگاہیں ان سے نہ ہٹنے پائیں کہ دنیوی زندگی کے ٹھاٹھ کے ارادے میں لگ جا۔

سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم چھ آدمی نبی ﷺ کے ساتھ تھے۔میرے علاوہ بلال، ابن مسعود، ایک ہذلی، اور دو صحابہ اور تھے۔قریش مکہ نے خواہش ظاہر کی کہ ان لوگوں کو اپنے پاس سے ہٹا دو تاکہ ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر آپ ﷺ کی بات سنیں۔نبی ﷺ کے دل میں آیا کہ چلو شاید میری بات سننے سے ان کے دلوں کی دنیا بدل جائے، لیکن

اللہ تعالی نے سختی کے ساتھ ایسا کرنے سے منع فرمادیا(۱)۔

اسی مضمون کو اللہ تعالی نے دوسری جگہ یوں بیان فرمایا ہے:

﴿ولا تطرد الذين يدعون ربهم بالغداة والعشي يريدون وجهه ما عليك من حسابهم من شيء وما من حسابك عليهم في شيء فتطردهم﴾ (سورۃ الانعام:۵۲) اوران لوگوں کو نہ نکالیے جو صبح وشام اپنے پروردگار کی عبادت کرتے ہیں، خاص اسی کے چہرے کا قصد رکھتے ہیں، ان کا حساب ذرا بھی آپ کے ذمہ نہیں، اور آپ کا حساب ذرا بھی ان کے ذمہ نہیں کہ آپ ان کو نکال دیں۔

یعنی بے سہارا اور غریب مسلمان جو بڑے اخلاص سے رات ودن اپنے رب کو پکارتے ہیں، اس کی عبادت کرتے ہیں، آپ مشرکین کے اس طعن یا مطالبہ سے کہ اے محمد (ﷺ) تمہارے اردگرد تو غرباوفقراء کا ہی ہجوم رہتا ہے، ذرا انہیں ہٹاؤ تو ہم بھی تمہارے ساتھ بیٹھیں۔ سن لو! ان (غرباء) کو اپنے سے دور نہ کرنا، اگر آپ نے ایسا کیا تو یہ ظلم ہے، جو آپ کے شایان شان نہیں۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ نبی -فداہ ابی وامی- ﷺ کی خدمت میں اشرافِ قریش بیٹھے گفتگو کررہے تھے کہ اچانک عبداللہ بن ام مکتوم جو نابینا تھے، تشریف لے آئے، اور نبی ﷺ سے دین کی باتیں پوچھنے لگے۔ نبی ﷺ نے اس پر کچھ ناگواری محسوس کی، اور کچھ بے توجہی سی برتی۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ کو تنبیہ کرتے ہوئے اللہ تعالی نے چند آیتیں نازل فرمائیں (۲) ﴿عبس وتولى، أن جاء ه الأعمى، وما يدريك لعله يزكى، أو يذكر فتنفعه الذكرى أما من استغنى، فأنت له تصدى، وما عليك ألا يزكى، وأما من جاء ك يسعى، وهو يخشى، فأنت عنه تلهى، كلا إنها تذكرة، فمن شاء ذكره﴾ (سورہ عبس:۱-۱۲) وہ ترش ہوا، اور منہ موڑ لیا، صرف اس لیے کہ اس کے پاس ایک نابینا آیا، تجھے کیا خبر شاید وہ سنور جاتا، یا نصیحت سنتا اور اسے نصیحت فائدہ پہنچاتی، جو بے پروائی کرتا ہے اس کی طرف تو پوری توجہ کرتا ہے، حالانکہ اسی کے نہ سدھرنے سے تجھ پر کوئی الزام نہیں، اور جو شخص تیرے پاس دوڑتا ہوا آتا ہے اور وہ ڈر بھی رہا ہے، تو تو اس سے بے رخی برتتا ہے، یہ ٹھیک نہیں، قرآن تو نصیحت کی چیز ہے، جو چاہے اس سے نصیحت لے۔

ان آیات میں اللہ رب العالمین نے نبی ﷺ کو تنبیہ کی ہے کہ ضنادید قریش جن کے اسلام لانے کی طمع وحرص کررہے ہیں، یہ آپ کی تواضع وانکساری کے مستحق نہیں ہیں، بلکہ مستحق وہ ہیں جو آپ سے دین کے بارے میں سوال کررہے ہیں۔ دینی احکام پوچھ رہے ہیں۔ دراصل یہی لوگ اسلام کے سچے شیدائی، دین کے سپاہی ہیں۔ آپ کی تواضع وانکساری ان کے ساتھ ہونی چاہئے۔ اس واقعہ کے بعد نبی ﷺ، عبداللہ بن ام مکتوم کو جب دیکھتے تو بہت تواضع سے پیش آتے۔ اوران کی آمد پر اپنی چادر بچھادیتے اور فرماتے: مرحبا بمن عاتبني فيه ربي ایسے شخص کو خوش آمدید، جس کے بارے میں میرے رب نے مجھے سرزنش کی ہے۔ (۳)

(۱) صحیح مسلم (۴۶۱۳/۴۶) (۲) ترمذی (۳۳۳۱) حاکم نے اسے صحیح کہا ہے، مستدرک (۵۱۴/۲)

(۳) تفسیر القرطبی (۱۳۹/۱۹) نیز دیکھئے: اسباب نزول القرآن للواحدی (ص:۴۷۱)

۲- نبی ﷺ کی تواضع وخاکساری کے مظاہر میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ صحابہ کے درمیان گھلے ملے رہتے۔لباس اور مجلس کے اعتبار سے کوئی امتیاز نہ تھا۔ یہاں تک کہ اگر کوئی اجنبی شخص آتا، اور آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی جھرمٹ میں ہوتے تو آپ کو پہچان نہ پاتا۔آپ ﷺ کا لباس زرق برق ہوتا اور نہ ہی شان وشوکت والا۔ بلکہ آپ کا لباس پاکیزہ، صاف ستھرا، پیوند والا ہوتا تھا۔اور آپ کی مجلس سادی، بارعب تھی۔آپ ﷺ زمین پر بلا کسی مسند وفرش کے نشست فرمایا کرتے۔آپ کی مجلس میں نہ شاہی کروفر تھا اور نہ ہی شاہانہ جاہ وجلال۔اور نہ ہی آپ مجلس میں اپنے آپ کو نمایاں، اور صحابہ کے درمیان علاحدہ رکھتے بلکہ ان کے ساتھ گھلے ملے رہتے، یہاں تک کہ باہر سے کوئی آتا تو آپ کو پہچان نہ پاتا۔اس بارے میں ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی ﷺ سے ملاقات کے لیے تشریف لے گیا۔سواری کو مسجد نبوی کے قریب بیٹھایا اور اسے باندھا، پھر مسجد نبوی میں داخل ہوا، اور صحابہ کرام سے نبی ﷺ کے بارے میں دریافت کیا، حالانکہ نبی ﷺ صحابہ کرام کے درمیان موجود تھے، اور ستون مسجد سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔

أيكم محمد؟ آپ لوگوں میں سے محمد (ﷺ) کون ہیں؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا۔

هذا الرجل الأبيض المتكئ .

یہ آدمی، جو گورے چٹے اور (ستون مسجد سے) ٹیک لگائے ہوئے ہیں، یہی نبی (ﷺ) ہیں۔(۱)

ابو ہریرہ اور ابوذر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ صحابہ کرام کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے، اسی اثناء میں ایک اجنبی آدمی آیا۔اور نبی ﷺ کے متعلق دریافت کرنے لگا۔ نبی ﷺ سادے اور عام لباس میں ہوتے کہ اجنبی شخص آپ کو پہچان نہ پاتا، ہم لوگوں نے اس آدمی کو نبی ﷺ کے بارے میں خبر دی کہ آپ فلاں جگہ ہیں۔

اس کے بعد ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے، اور آپ سے عرض کیا کہ اگر آپ اپنے لیے کوئی نمایاں جگہ بنا لیتے تو اچھا تھا، تاکہ اجنبی کے لیے آپ سے ملنے میں کوئی دقت وپریشانی نہ ہو۔چنانچہ آپ کے لیے مٹی کا ایک چبوترہ بنایا گیا۔آپ ﷺ اسی پر بیٹھتے، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کے اردگرد بیٹھتے۔(۲)

ہر شخص آپ ﷺ کو دیکھنے کی تمنا کرتا تھا، اور جو کوئی آپ ﷺ کو آتا دیکھ لیتا تو استقبال یا تعظیم کے لیے کھڑا نہیں ہوتا کیونکہ آپ اسے ناپسند کرتے تھے۔(۳)

۳-غریبوں اور بیواؤں کے ساتھ نبی ﷺ کی نشست:

آپ ﷺ غریبوں، بیواؤں اور کم سن بچوں کے ساتھ بیٹھنا پسند کرتے۔اور ان کے ساتھ تعاون کرتے اور ان کی

(۱) بخاری (۶۳) (۲) ابوداود (۴۶۹۸) شیخ الالبانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے، صحیح سنن ابی داود (۸۹۰/۳)
(۳) ترمذی (۲۷۵۴) شمائل ترمذی (۳۲۸) امام ترمذی نے اسے حسن صحیح غریب کہا ہے، الصحیحۃ (۳۵۸)

ضروریات پوری کرتے۔اس بارے میں عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نہ متکبر تھے اور نہ ہی صرف اپنا بھلا چاہنے والے، بلکہ آپ ﷺ سب کے خیر خواہ تھے، آپ مسکینوں اور بیواؤں کے ساتھ چلتے اور ان کی ضروریات پوری کرتے۔(۱)

یہ نبی ﷺ کی تواضع وانکساری کی سب سے بہترین مثال ہے، جوامت کے لیے بہترین اسوہ ہے۔سچ فرمایا آپ ﷺ نے:"ما تواضع أحد لله إلا رفعه الله" (۲) جوکوئی اللہ کے لیے تواضع کرتا ہے،اللہ تعالی اسے بلندی عطا کرتا ہے۔

خادم رسول انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت کی عقل میں فتور تھا،اس نے نبی ﷺ سے کہا: مجھے آپ سے کچھ ضرورت ہے۔آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: اے فلاں کی ماں! گلی کے کسی کونہ میں جہاں چاہو بیٹھ جاؤ، یہاں تک کہ میں تمہارے پاس آکر ملوں۔چنانچہ وہ بیٹھ گئی۔پھر نبی ﷺ اس سے آکر ملے، یہاں تک کہ اس نے آپ ﷺ سے اپنی ضرورت کی بات کی۔(۳)

نیز بیان فرماتے ہیں:

نبی ﷺ جب صبح کی نماز ادا کر لیتے تو مدینہ کے بچے آپ ﷺ کے پاس پانی سے بھرا ہوا برتن (گلاس وغیرہ) لاتے اور جو بھی برتن آتا آپ اس میں اپنا دست مبارک ڈالتے، یہاں تک کہ اگر کوئی ٹھنڈی چیز آتی تو اس اس میں بھی آپ ﷺ اپنا دست مبارک ڈالتے۔(۴)

یہ آپ ﷺ کے کمال خلق، آپ کی تواضع وخاکساری اور آپ کے اخلاق کریمانہ کی چند مثالیں ہیں، انہی اخلاق ومحبت، مروت ومودت کی وجہ سے ہر شخص آپ پر اپنی جان نثار کرتا تھا،اور آپ سے والہانہ محبت کرتا تھا۔

۴- نبی ﷺ کا صحابہ کرام کی زیارت کرنا،اوران کی دعوت قبول کرنا بھی تواضع کے مظاہر میں سے ہیں۔آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دعوت طعام قبول فرماتے،اور ماحضر تناول فرماتے۔اس سلسلے میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ایک درزی نے نبی اکرم ﷺ کو جو کی روٹی اور پگھلی ہوئی چربی یا روغن کی (جسے بطور سالن استعمال کیا جائے) دعوت دی۔اوراس میں کدو (لوکی) بھی تھا۔صحابی رسول انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں دیکھ رہا تھا کہ آپ ﷺ کدو پسند کرتے ہیں اوراسے خوب شوق سے کھاتے ہیں تو اسی دن سے میں بھی کدو پسند کرنے لگا۔(۵)

اسی طرح وہ واقعہ بھی نبی ﷺ کی تواضع وانکساری کی دلیل ہے جو یہودی بچے کے ساتھ پیش آیا، مدینہ میں ایک یہودی لڑکا آپ ﷺ کی خدمت کرتا تھا، وہ بیمار پڑا تو آپ ﷺ عیادت کے لیے اس کے گھر تشریف لے گئے۔اوراس بچے

(۱) سنن دارمی (۷۴) ابن حبان (۶۳۹۰) یہ روایت صحیح ہے۔ (۲) مسلم (۲۵۸۸/۶۹) بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔
(۳) مسلم (۲۳۲۶/۷۶) نیز دیکھیں: شرح مسلم نووی (۸۲/۱۵) (۴) مسلم (۲۳۲۴/۷۴)
(۵) ابن حبان (۵۲۶۹) یہ روایت صحیح ہے۔

کے سر کے پاس بیٹھ کر اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔اس یہودی بچے نے اپنے والد کی طرف نگاہ اٹھائی، جو اس کے قریب ہی تھا،اس کے باپ نے اس سے کہا: "أطع أبا القاسم" ابوالقاسم (نبی ﷺ) کی اطاعت کرو،ان کی بات مان لو۔چنانچہ وہ بچہ اسلام لے آیا۔اس کے بعد نبی ﷺ اس کے گھر سے نکلے،اور آپ کی زبان پر یہ کلمہ جاری تھا۔

الحمد لله الذي أنقذه من النار۔(۱) تمام تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے اس بچہ کو جہنم کی آگ سے بچا لیا۔

۵-گھریلو کام کاج میں آپ ﷺ کا تواضع:

آپ ﷺ دوسروں کی طرح گھریلو کام کاج کیا کرتے تھے،اپنی ضروریات خود پوری کرتے تھے،اور گھریلو کام کاج میں اپنے اہل وعیال کا تعاون کرتے تھے،اور انہیں ایسے کام کا مکلّف نہ بناتے جو ان کی بس سے باہر ہوتا تھا۔اس سلسلہ میں آپ کا تعاون اور طرز عمل امت کے لیے قدوہ اور قابل توجہ ہے،آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

خيركم خيركم لأهله، وأنا خيركم لأهلي۔ (۲)

تم میں کا بہتر وہ ہے جو اپنے اہل وعیال کے لیے بہتر ہو،اور میں اپنے اہل وعیال کے لیے بہتر ہوں۔

اسود کہتے ہیں کہ میں نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ ما كان النبي ﷺ يصنع في بيته؟ آپ ﷺ گھر میں کیا کام کرتے ہیں؟ وہ فرماتی ہیں: كان يكون في مهنة أهله، – تعني خدمة أهله – فإذا حضرت الصلاة، خرج إلى الصلاة۔ (۳) آپ ﷺ اہل وعیال کی خدمت اور گھریلو کام کاج میں لگے رہتے،اور جب نماز کا وقت ہو جاتا تو نماز کے لیے چلے جاتے۔

دوسری روایت میں ہے:

كان رسول الله ﷺ يخصف نعله، ويخيط ثوبه ويعمل في بيته كما يعمل أحدكم في بيته۔(۴) آپ ﷺ اپنا جوتا (چپل) خود سی لیتے،اور اپنا کپڑا خود سی لیتے،اور اپنے گھر میں کام کرتے جیسے تم اپنے گھر میں کام کرتے ہو۔

ایک اور روایت میں ہے:

ما كان إلا بشرا من البشر، كان يفلي ثوبه، ويحلب شاته، ويخدمه نفسه۔ (۵) آپ ﷺ انسانوں میں سے ایک انسان تھے،اپنے کپڑے اور سر سے خود جوئیں نکالتے،اور بکری کا دودھ خود دوہ لیتے،اور بذات خود اپنی خدمت کرتے۔☆ (جاری)

---

(۱) بخاری (۱۲۹۰) (۲) ترمذی (۳۸۹۵) بسند صحیح، بروایت عائشہ رضی اللہ عنہا۔

(۳) بخاری (۶۴۴) (۴) شمائل ترمذی (۳۴۳) احمد (۱۲۱/۶) ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے،صحیح ابن حبان (۶۴۰۶)

(۵) شمائل ترمذی (۳۴۳) ہدایۃ الرواۃ (۵۷۶۰)

عید میلاد النبی ﷺ کی شرعی حیثیت

تحریر: علامہ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ ترجمانی: عبدالغفار سلفی

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں اور درود وسلام ہو اللہ کے رسول ﷺ پر، آپ کی آل پر، آپ کے صحابہ پر اور ان تمام لوگوں پر جو آپ ﷺ کے نقش قدم پر چلیں۔

حمد وصلاۃ کے بعد:

کئی بار یہ سوال سامنے آیا کہ نبی ﷺ کی میلاد کا جشن منانا اور اس میں آپ ﷺ کے لیے قیام کرنا، آپ ﷺ پر سلام پڑھنا اور وہ سب کام جو میلاد کی محفلوں میں انجام دیئے جاتے ہیں ان کا شرعی حکم کیا ہے؟

جواب میں یہ کہا جائے گا:

رسول اکرم ﷺ کی میلاد کا جشن منانا یا کسی کا بھی جشن ولادت منانا جائز نہیں، کیونکہ یہ کام دین میں نکالا گیا نیا کام ہے، نہ تو رسول اکرم ﷺ نے اسے کیا نہ آپ کے خلفاء راشدین نے اسے کیا، نہ دوسرے صحابہ نے اور نہ قرون اولی کے تابعین نے، جب کہ یہ لوگ بعد والوں کی بنسبت سنت کی سب سے زیادہ معرفت رکھنے والے، رسول اکرم ﷺ سے سب سے زیادہ محبت کرنے والے اور آپ کی شریعت کی سب سے زیادہ پیروی کرنے والے تھے۔ نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: ''جو ہمارے اس دین میں کوئی نیا کام نکالے جو اس میں نہ ہو تو وہ کام مردود ہے''۔ دوسری حدیث میں آپ کا ارشاد ہے: ''میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑ لو اور اسے مضبوطی سے تھام لو، اسے اپنے دانتوں سے خوب مضبوطی سے پکڑ لو، اور (دین میں نکالے گئے) نئے کاموں سے بچو! دین میں نکالا گیا ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے''۔

ان دونوں حدیثوں میں بدعت پر عمل کرنے سے سختی کے ساتھ روکا گیا ہے۔ اللہ تعالی اپنی کتاب میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا﴾ (الحشر: ۷) ''رسول ﷺ جو تم کو دیں اسے لے لو اور جس سے روکیں اس سے رک جاؤ''۔ نیز فرمان باری تعالی ہے: ﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ (النور: ۶۳) ''جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں انہیں اس بات سے ڈرنا چاہئے کہ انہیں کسی آزمائش سے دوچار نہ ہونا پڑے یا انہیں سخت عذاب نہ لاحق ہو جائے''۔ نیز فرمان عزوجل ہے: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا﴾ (الأحزاب: ۲۱) ''درحقیقت رسول اللہ ﷺ کی ذات میں تم لوگوں کے لیے بہترین نمونہ ہے، اس کے لیے جسے اللہ اور یوم آخرت کی امید ہو اور جو اللہ کا ذکر کثرت سے کرتا ہو''۔ نیز فرمان الہی ہے: ﴿وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِينَ

اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّهُ عَنْهُمْ وَرَضُواْ عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الأَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا أَبَداً ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ (التوبة: ۱۰۰) ''مہاجرین اور انصار میں سے سب سے پہلے سبقت کرنے والے اور وہ لوگ جنہوں نے احسان کے ساتھ ان کی اتباع کی، اللہ تعالی ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے، اور اللہ تعالی نے ان کے لیے ایسے باغات تیار رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، وہ اس میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔ یہی بڑی کامیابی ہے''۔ نیز فرمان الٰہی ہے: ﴿اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الإِسْلاَمَ دِيْناً﴾ (المائدہ:۳) ''آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا، اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور اسلام کو تمہارے لیے دین کی حیثیت سے پسند کر لیا''۔ اس سلسلے میں بہت سی آیات ہیں۔

اس قسم کی میلاد کی محفلوں کو منانے کا مطلب ہے کہ اللہ تعالی نے دین کو اس امت کے لیے مکمل نہیں کیا، رسول اکرم ﷺ نے امت کو وہ باتیں نہیں پہونچائیں جن پر عمل کرنا امت کے لیے مناسب تھا، پھر جب یہ بعد کے لوگ آئے تو انہوں نے اللہ کی شریعت میں وہ سب چیزیں ایجاد کر دیں جن کی اس نے اجازت نہیں دی، انہوں نے سوچا کہ ان چیزوں سے اللہ کا قرب حاصل ہوگا۔ بے شک یہ بات انتہائی خطرناک ہے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایک قسم کا اعتراض ہے۔ حالانکہ اللہ نے اپنے بندوں کے لیے دین کو مکمل کر دیا ہے، اپنی نعمت ان پر تمام کر دی اور نبی اکرم ﷺ نے کھلے طور پر سب کچھ پہونچا دیا ہے، جنت کی طرف لے جانے والا اور جہنم سے دور کرنے والا ہر راستہ آپ نے اپنی امت کو بتا دیا ہے۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہے، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ نے جس نبی کو بھی بھیجا تو اس پر لازم کر دیا کہ خیر کی جو باتیں اللہ نے اس کو سکھائی ہوا سے لوگوں کو بتلا دے اور جس برائی کے بارے میں بتایا ہو اس سے لوگوں کو خبردار کر دے''۔ (مسلم) ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ہمارے نبی ﷺ تمام انبیاء میں سب سے افضل اور آخری نبی ہیں، آپ کا پیغام اور نصیحت مکمل ترین ہے، اگر جشن میلاد منانے کا تعلق دین سے ہوتا اور اس میں اللہ کی رضا ہوتی تو ضرور رسول اکرم ﷺ نے اسے امت کے سامنے بیان کیا ہوتا یا اپنی حیات مبارکہ میں اسے کیا ہوتا یا آپ کے صحابہ نے کیا ہوتا، لیکن جب ایسا کچھ نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ دین میں ایجاد کیا گیا ایک نیا کام ہے جس سے آپ ﷺ نے اپنی امت کو بچنے کی تلقین کی ہے جیسا کہ ابھی اس سلسلے میں کچھ احادیث اوپر گذریں۔ اس سلسلے میں آیات اور احادیث بہت زیادہ ہیں۔

علماء کی ایک جماعت نے مذکورہ دلائل پر عمل کرتے ہوئے جشن میلاد (Birth Day Ceremony) منانے سے صاف منع کیا ہے اور اس سے بچنے کی تلقین کی ہے، مگر بعد کے کچھ علماء نے اس کی اجازت اس شرط کے ساتھ دی ہے کہ اس میں کوئی برا کام نہ کیا جائے جیسے رسول اکرم ﷺ کی شان میں غلو، مرد و زن کا اختلاط، گانے بجانے کے آلات کا استعمال اور ہر وہ کام جو شریعت مطہرہ کی نظر میں برا ہو۔ ان علماء کا خیال یہ ہے کہ جشن میلاد منانا بدعت حسنہ ہے۔ نیز قاعدہ یہ ہے کہ اگر کسی چیز کے بارے میں لوگوں میں اختلاف ہو تو ہم اس کے بارے میں اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کی طرف

رجوع کریں جیسا کہ فرمان باری تعالی ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ أَطِيْعُواْ اللّهَ وَأَطِيْعُواْ الرَّسُولَ وَأُوْلِيْ الأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيْلاً﴾ (النساء:۵۹) ''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور صاحب معاملہ کی بھی کرو، پس اگر کسی چیز میں تم لوگ ایک دوسرے سے نزاع کر بیٹھو تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو، اگر تم لوگ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو، یہی بہترین اور سب سے اچھی تاویل ہے''۔ نیز فرمایا: ﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِن شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ﴾ (الشوری:۱۰) ''جس چیز میں تم لوگوں میں اختلاف ہو اس کا حکم اللہ کی طرف لوٹانا چاہئے''۔ لہذا جب ہم مذکورہ مسئلے کے بارے میں یعنی جشن میلاد منانے کے بارے میں اللہ کی کتاب کی طرف رجوع کرتے ہیں تو ہم یہ پاتے ہیں کہ اس میں ہمیں رسول ﷺ کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے اور ہمیں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالی نے اس امت کا دین مکمل کر دیا ہے۔ اور ظاہر ہے جشن میلاد منانا اس دین میں نہیں ہے جسے رسول اکرم ﷺ لے کر آئے۔ لہذا یہ اس دین میں ہے ہی نہیں جسے اللہ نے مکمل کیا ہے اور جس میں رسول اکرم ﷺ کی پیروی کا حکم ہے۔

اسی طرح جب ہم اس سلسلے میں سنت رسول کی طرف رجوع کرتے ہیں تو اس میں بھی ہمیں کہیں نہیں ملتا کہ آپ ﷺ نے اس کو کیا ہو یا آپ نے اس کا حکم دیا ہو یا آپ کے کسی صحابی نے کیا ہو۔ ان سب سے یہ بات کھل کر سامنے آ گئی کہ اس کا تعلق دین سے نہیں بلکہ یہ بدعت ہے اور یہود ونصاری کے تہواروں کی نقل ہے۔

ان سب کے بعد دین کے معاملے میں ادنی سی بھی بصیرت رکھنے والا انسان جو انصاف پسند ہو اور جس کے اندر حق کی طلب ہو، اس کے لیے بالکل صاف ہو جاتا ہے کہ جشن میلاد منانا دین اسلام میں کہیں سے بھی نہیں ہے بلکہ یہ ایک بدعت ہے جس سے آپ ﷺ نے بچنے اور ترک کرنے کی تعلیم دی ہے۔

کسی بھی عقل مند انسان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ دنیا کے مختلف خطوں میں اس کام کو انجام دینے والوں کی کثرت تعداد سے دھوکہ کھائے، کیونکہ حق کی پہچان یہ نہیں ہے کہ اس پر عمل کرنے والے بہت ہوں بلکہ اس کی پہچان شرعی دلائل سے ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالی یہود ونصاری کے تعلق سے فرماتا ہے: ﴿وَقَالُواْ لَن يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلاَّ مَن كَانَ هُوداً أَوْ نَصَارَى تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُواْ بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِيْنَ﴾ (البقرۃ:۱۱۱) ''یہ لوگ کہتے ہیں کہ جنت میں وہی داخل ہوگا جو یہودی ہو یا عیسائی، یہ سب ان کی اپنی جھوٹی آرزوئیں ہیں، آپ کہئے کہ اپنی دلیل لاؤ اگر سچے ہو''۔ نیز اللہ کا یہ بھی فرمان ہے: ﴿وَإِن تُطِعْ أَكْثَرَ مَن فِيْ الأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَن سَبِيْلِ اللّهِ﴾ (الانعام:۱۱۶) ''اگر آپ ان کی اکثریت کی پیروی کریں گے جو زمین میں ہیں تو وہ آپ کو اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں گے''۔

میلاد کی محفلیں بدعت ہونے کے ساتھ ساتھ اور بھی بہت سی برائیوں سے خالی نہیں ہوتیں جیسے مرد وزن کا اختلاط، گانے بجانے کے آلات کا استعمال اور نشہ آور چیزوں کا استعمال وغیرہ۔ اور کبھی کبھی تو ان محفلوں میں شرک اکبر کا بھی ارتکاب کیا جاتا ہے جیسے رسول اکرم ﷺ کی شان میں یا دوسرے اولیاء اللہ کے بارے میں غلو سے کام لینا، ان سے دعائیں کرنا، مدد

مانگنا، یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ ﷺ عالم الغیب ہیں اور اس کے علاوہ دیگر کفریہ افعال جن کو لوگوں کی ایک بڑی تعداد نبی ﷺ کے جشن میلاد کے موقعے پر یا ان لوگوں کی ولادت کے موقعے پر انجام دیتی ہے جن کو یہ لوگ اللہ کا ولی کہتے ہیں۔ حالانکہ حدیث میں رسول اکرم ﷺ کا یہ فرمان موجود ہے: ''دین میں غلو سے بچو! تم سے پہلے والے اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ دین میں غلو سے کام لیتے تھے''۔ آپ ﷺ کا یہ فرمان ہے: ''مجھے اتنا نہ بڑھاؤ جتنا عیسائیوں نے عیسی بن مریم کو بڑھا دیا، میں تو اللہ کا بندہ ہوں، مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہی کہا کرو''۔ (بخاری ومسلم) یہ بھی طرفہ تماشا ہے کہ بہت سے لوگ اس قسم کی محفلوں میں شرکت کے لیے بڑی گرم جوشی کا اظہار کرتے ہیں اور بڑی جدوجہد کرتے ہیں اور ان کاموں کا سختی کے ساتھ دفاع کرتے ہیں جب کہ نماز باجماعت اور جمعہ وغیرہ کے معاملے میں بہت پیچھے ہوئے ہیں اور اسے کوئی خاص توجہ نہیں دیتے حالانکہ یہ اس کو تو اللہ نے ان پر واجب کیا ہے۔ یقیناً یہ ایمان اور دینی بصیرت کی کمی ہے۔ ایسے لوگوں کے دل گناہوں کی زیادتی کی وجہ سے مسخ ہو گئے ہیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو عافیت میں رکھے۔

ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ کچھ لوگوں کے خیال میں اللہ کے رسول ﷺ میلاد کی محفلوں میں حاضر ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایسے لوگ آپ ﷺ کی محبت میں آپ ﷺ کے استقبال کے لیے کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ عقیدہ بھی بالکل باطل اور پرلے درجے کی جہالت ہے۔ رسول اکرم ﷺ قیامت کے پہلے نہ تو اپنی قبر سے نکلیں گے نہ کسی سے ملیں گے، نہ کسی میلاد کی محفل میں شرکت فرمائیں گے۔ قیامت تک آپ ﷺ اپنی قبر میں رہیں گے اور آپ ﷺ کی روح اپنے رب کے پاس پوری عزت وتکریم کے ساتھ اعلی علیین میں موجود ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالی سورہ مومنون آیت نمبر: ۱۵، ۱۶ میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿ثُمَّ إِنَّكُمْ بَعْدَ ذَلِكَ لَمَيِّتُونَ. ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تُبْعَثُونَ﴾ ''پھر تم لوگ اس کے بعد موت سے ہمکنار ہوگے، پھر یقیناً قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے''۔ نبی ﷺ فرماتے ہیں، ''قیامت کے دن سب سے پہلے میری ہی قبر شق ہوگی اور میں ہی سب سے پہلے شفاعت کروں گا''۔ (آپ پر آپ کے رب کی جانب سے بہترین درود وسلام نازل ہوں) یہ آیت اور حدیث اور اس سلسلے کی دیگر آیات واحادیث سب اس بات کی دلیل ہیں کہ نبی ﷺ اور دیگر سبھی وہ لوگ جنہیں موت آچکی وہ قیامت کے دن ہی اپنی قبروں سے نکلیں گے۔ اس چیز پر تمام علمائے اسلام کا اتفاق ہے اور اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ لہذا ہر مسلمان کو اس طرح کی چیزوں میں محتاط رہنا چاہئے اور جاہلوں کی ایجاد کردہ بدعت وخرافات سے بچنا چاہئے جن کی اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ اللہ ہی وہ ذات ہے جس سے مدد طلب کی جائے، اسی پر بھروسہ ہے اور زور وقوت اسی کے پاس ہے۔

جہاں تک رسول اکرم ﷺ پر درود وسلام کا سوال ہے تو یہ انتہائی فضیلت اور قربت والا عمل ہے، جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (سورہ احزاب: ۵۶) ''بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر رحمت بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی نبی پر درود بھیجو اور خوب سلام بھیجو''۔ اور نبی ﷺ کا فرمان ہے: ''جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالی اس پر دس رحمتیں نازل کرتا ہے''۔

درود وسلام تمام اوقات میں مشروع ہے۔ نماز کے آخری حصے میں تو اس کی بڑی تاکید ہے۔ نماز کے آخری تشہد میں

درود پڑھنا اہل علم کی ایک جماعت کے نزدیک واجب ہے۔اس کے علاوہ دیگر بہت سے مواقع پر بھی یہ سنت موکدہ ہے جیسے اذان کے بعد، نبی ﷺ کا ذکر ہونے پر، جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات۔ان تمام چیزوں کی بہت ساری دلیلیں موجود ہیں۔

اللہ سے دعا ہے کہ ہم سب کو اور تمام مسلمانوں کو دین کو سمجھنے اور اس پر ثابت قدم رہنے کی توفیق دے اور ہم سب پر یہ کرم فرمائے کہ ہم نبی ﷺ کی سنت کو مضبوطی سے تھام لیں اور بدعات سے بچیں، بیشک اللہ بہت سخی اور کریم ہے۔

☆☆☆

(بقیہ درس قرآن)

مسلمانوں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو امام بخاری رحمہ اللہ کے تبحر علمی اور فقاہت پر شکوک وشبہات کی بات کرتے ہیں، اور جب ان کے خاص مسلک کے خلاف بخاری کی کسی حدیث کو پیش کیا جاتا ہے تو امام بخاری پر تعصب کا بہتان تک لگانے میں اللہ سے نہیں ڈرتے۔امام بخاری نے اپنی کتاب میں مختلف جگہ اصحاب الرائے لکھ کر اس دور کے مسلکی وفقہی موشگافیوں کی طرف اشارہ کیا ہے، اور اس کو ناپسند کیا ہے، مقلدین سمجھتے ہیں کہ یہ اشارہ ان کی طرف ہے اور فقہ حنفی سے آپ کو چڑ تھی، یہ کیسی عجیب بات ہے، جس تقلید کا چلن چوتھی صدی ہجری یا اس کے بعد ہوا اور جس کا اقرار احناف بھی اپنی کتابوں میں کرتے ہیں، اس سے سو سال پہلے وفات پانے والے اللہ کے بندہ پر تعصب کا الزام لگایا جاتا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کے موقف پر غور کریں وہ کس طرح ہر مسئلہ کو قرآن وحدیث سے لیتے ہیں، خبر آحاد کے متنازعہ موقف کی تردید کے لیے اپنی کتاب الجامع الصحیح میں مستقل ایک باب باندھا ہے: باب ما جاء في إجازة خبر الواحد الصدوق في الأذان والصلاة والصوم والفرائض والأحكام.

خبر واحد یعنی جس کا راوی کوئی ایک ہی شخص ہو، اس کو قبول کیا جائے یا نہ قبول کیا جائے، آپ نے توجہ مبذول کرائی، نماز کی طرف پکارنے والا اکیلا، نماز پڑھانے والا اکیلا، روزہ کے چاند کی گواہی ایک شخص کی قبول، فرائض ووراثت میں کوئی ایک شخص گواہی دے منظور اور احکام میں کتنے واقعات ہیں جس کو اللہ کے رسول اور خلفاء نے ایک شخص کی بات کو مانا، پھر کیوں خبر واحد جو صحیح سند سے ثابت ہو کہ اللہ کے رسول کا فرمان ہے یا صحابہ نے اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے روایت کیا ہے نہ مانا جائے۔

امام بخاری کئی جگہ مسئلہ کی طرف اشارہ کے لیے ایک باب باندھتے ہیں اور قرآن کی کوئی آیت نقل کرتے، باب باندھتے ہیں کسی صحابہ کا قول نقل کرتے ہیں یا باب باندھتے ہیں پھر اسی حدیث کو دوبارہ نقل کرتے ہیں جو کسی دوسرے عنوان میں آچکی ہے، جو اشارہ ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں بھی یہ حدیث حجت ہے۔یہ اسلوب آپ کے تبحر علمی اور فقاہت پر دلالت کرتا ہے اور حدیث کا جو عظیم ذخیرہ آپ کے سینہ میں محفوظ تھا یہ سب اس کا نچوڑ ہے، اگر کسی موضوع میں آپ نے کوئی سرخی لگائی تو یہ اشارہ ہے کہ یہ سنت سے ثابت ہے، اگر حدیث نقل نہیں کی، تو شاید اس پایہ کی حدیث نہ تھی کہ نقل کرتے۔

☆☆☆ (جاری)

صلہ رحمی کی اہمیت اسلام کی نظر میں

مولانا علی حسین سلفی/استاذ جامعہ سلفیہ

انسانی معاشرہ کے افراد کے درمیان خوشگوار تعلقات قائم رکھنے کے لیے اسلام کی جو اہم تعلیمات ہیں ان میں سے ایک رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی سے متعلق ہے۔

صلہ رحمی کا مفہوم: صلہ رحمی ماں باپ وغیرہ کے بعد درجہ بدرجہ دوسرے اہل قرابت کا بھی حق ہے، عربی زبان میں قرابت والوں کا حق ادا کرنے کو صلہ رحمی کہتے ہیں۔ صلہ رحمی دو لفظوں سے مل کر بنا ہے، ایک ''صلہ'' اور دوسرا ''رحم''، صلہ ایک جامع لفظ ہے جو جملہ مکارم اخلاق کو شامل ہے جیسے خندہ پیشانی سے ملنا، سلام کرنا، نرم بات کہنا، قصوروار سے درگذر کرنا، خاطر داری اور خاکساری سے پیش آنا، دستور کے مطابق مدارات کرنا، ناک منہ نہ چڑانا، اچھا سلوک کرنا اور ان پر مال خرچ کرنا، یہ سب خصائل صلہ رحمی میں شامل ہیں۔

اور لفظ ''رحم'' کا اطلاق رشتہ پر ہوتا ہے اور ہر شخص کے رشتہ دار ہوتے ہیں جن کا آپس میں تعلق ہوتا ہے، خواہ وہ اس کے وارث ہوں یا نہ ہوں، محرم ہوں یا غیر محرم ہوں، اس مختصر تمہید سے معلوم ہوا کہ صلہ رحمی سے مراد اپنے رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرنا اور ان کی بدسلوکی پر انہیں درگذر کرنا ہے۔

حقیقی صلہ رحمی: صلہ رحمی کا ایک مفہوم عام لوگوں کے ذہنوں میں یہ ہے کہ اگر رشتہ دار صلہ رحمی کریں تو ان سے صلہ رحمی کی جائے۔ اگر وہ اچھا برتاؤ کریں تو ان سے اچھا برتاؤ کیا جائے، اگر وہ احسان کریں تو ان سے احسان کیا جائے، حالانکہ یہ مفہوم بالکل غلط ہے، یہ تو ایک طرح کا بدلہ ہے کہ اگر وہ حسن سلوک کریں تو ان سے حسن سلوک کیا جائے، اور اگر وہ نہ کریں تو ان سے بھی نہ کیا جائے، صلہ رحمی کا یہ مفہوم درست نہیں۔ درست اور حقیقی مفہوم یہ ہے کہ اگر وہ قطع رحمی کریں تو بھی ان سے صلہ رحمی کیا جائے، اگر وہ بدسلوکی کریں تو ان سے اچھا سلوک کیا جائے، اگر وہ نہ دیں تب بھی انہیں دیا جائے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لیس الواصل بالمکافئ ولکن الواصل الذي قطعت رحمه وصلها ۔ (البخاری: الادب، باب لیس الواصل بالمکافئ: ۵۹۹۱)

یعنی صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں جو بدلے میں صلہ رحمی کرے، بلکہ صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ جس سے قطع رحمی کی جائے تو پھر بھی وہ صلہ رحمی کرے۔

رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی درجہ بدرجہ: حسن سلوک اور صلہ رحمی کی سب سے زیادہ حقدار ماں پھر باپ پھر درجہ بدرجہ دیگر رشتہ دار ہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! اچھے سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟ آپ نے فرمایا تمہاری ماں، پھر تمہاری ماں، پھر تمہاری

ماں، پھر تمہارے باپ، پھر جو تمہارے سب سے زیادہ قریب ہو، پھر جو تمہارے سب سے زیادہ قریب ہو۔ (صحیح بخاری، کتاب الادب، باب من احق الناس بحسن الصحبۃ: ۵۹۷۱، صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب برالوالدین وانھما احق بہ: ۲۵۴۸)

اسی طرح حضرت مقداد بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ان الله يوصيكم بأمهاتكم ثلاثا ان الله يوصيكم آباءكم ان الله يوصيكم بالأقرب" (مسند احمد: ۱۳۱/۴، مستدرک حاکم: ۱۶۷/۴، الصحیحۃ: ۱۶۶۶)

یعنی بے شک اللہ تعالی تمہیں ماں کے بارے میں وصیت کرتا ہے کہ اس کے ساتھ حسن سلوک کرو، آپ نے یہ تین بار فرمایا اور اللہ تمہیں باپ کے بارے میں بھی وصیت فرمایا ہے کہ اس کے ساتھ حسن سلوک کرو، اسی طرح اللہ تعالی تمہیں قریبی رشتہ دار کے بارے میں بھی وصیت کرتا ہے کہ ان کے ساتھ بھی نیکی کرو۔

اس حدیث میں ماں کا درجہ باپ کے مقابلے میں تین گنا بتایا گیا ہے، اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ تین تکلیفیں ایسی ہیں جو صرف ماں اولاد کے لیے برداشت کرتی ہے، لیکن باپ اس میں شریک نہیں ہوتا ہے:

(۱) نو مہینے تک حمل کی تکلیف

(۲) زچگی کی تکلیف، جس میں عورت کو موت وحیات کی کشمکش کے جاں گداز مرحلے سے گذرنا پڑتا ہے۔

(۳) پھر دو سال تک رضاعت (دودھ پلانے) کی تکلیف جس میں اس کی راتوں کی نیند بھی خراب ہوتی ہے، اس کا حسن اور صحت بھی متاثر ہوتی ہے، اور بچے کے آرام وراحت کے لیے بعض دفعہ خوراک میں بھی احتیاط اور پرہیز کی ضرورت پیش آتی ہے۔

کافر ومشرک رشتہ داروں کے ساتھ بھی صلہ رحمی کا حکم: اہل شرک وکفر جو اللہ تعالی اور اللہ کے رسول ﷺ اور تمام اہل ایمان کے دشمن ہیں، اگر اپنے کفر وشرک پر اڑے رہیں تو بھی ان کے ساتھ صلہ رحمی کا حکم دیا گیا ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ سے علانیہ کہتے ہوئے سنا، خفیہ نہیں، آپ فرماتے تھے: ''بے شک بنی فلاں کی اولاد میرے دوست نہیں ہیں، میرے دوست تو اللہ تعالی اور نیک مومن ہیں، البتہ ان سے میری رشتہ داری ہے جسے میں ضرور ملحوظ رکھتا ہوں۔ (صحیح بخاری، کتاب الادب، باب الرحم یبل ببلا لھا: ۵۹۹۰، وصحیح مسلم الایمان، باب موالاۃ المؤمنین ومقاطعۃ غیرھم: ۲۱۵)

اسی طرح حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما روایت کرتی ہیں کہ میری ماں جبکہ وہ مشرکہ تھیں، رسول اللہ ﷺ (اور مشرکین کے درمیان ہونے والے) معاہدہ حدیبیہ کے دوران میرے پاس آئیں، میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ میری والدہ میرے پاس آئی ہیں اور مجھ سے حسن سلوک کی خواہش مند ہیں، کیا میں (ان کی خواہش کے مطابق) اپنی والدہ سے صلہ رحمی (حسن سلوک) کروں، آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، تم اپنی والدہ سے صلہ رحمی کرو۔ (صحیح بخاری، کتاب الھبۃ، باب الھدیۃ للمشرکین: ۵۹۷۸، صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب فضل النفقۃ والصدقۃ علی الاقربین: ۱۰۰۳)

صلہ رحمی کی تاکید کتاب وسنت میں: قرآن کریم اور حدیث نبوی میں صلہ رحمی کی بڑی تاکید آئی ہے، اور علمائے کرام

نے اسے واجب وضروری قرار دیا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے: وإذ أخذنا ميثاق بني إسرائيل لا تعبدون إلا الله وبالوالدين احسانا وذي القربى واليتامى والمساكين وقولوا للناس حسنا" (البقرۃ:۸۳) یعنی اور جب ہم نے بنواسرائیل سے وعدہ لیا کہ تم اللہ کے سوا دوسرے کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، اسی طرح قرابت داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ، اور لوگوں کو اچھی باتیں کہنا۔

اس آیت میں بنواسرائیل سے جو عہد لیا گیا تھا اس میں صرف اور صرف ایک اللہ کی عبادت کی تاکید ہے، جو ہر نبی کی بنیادی اور اولین دعوت رہی ہے، اس کے بعد والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم ہے، اللہ تعالی کی عبادت کے بعد دوسرے نمبر پر والدین کی اطاعت وفرماں برداری اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید سے واضح کر دیا گیا کہ جس طرح اللہ تعالی کی عبادت بہت ضروری ہے اسی طرح اس کے بعد والدین کی اطاعت بھی بہت ضروری ہے اور اس میں کوتاہی کی کوئی گنجائش نہیں، قرآن میں متعدد مقامات پر اللہ تبارک وتعالی نے اپنی عبادت کے بعد دوسرے نمبر پر والدین کی اطاعت کا ذکر کر کے اس کی اہمیت کو واضح کر دیا ہے، اس کے بعد رشتہ داروں، یتیموں اور مساکین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید اور حسن گفتار کا حکم ہے۔ بہر حال اس سے ثابت ہوا کہ والدین اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا بھی ضروری اور واجب ہے۔

اللہ تعالی قرآن کریم میں ایک دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے: "واتقوا الله الذي تساء لون به والأرحام" (النساء:۱) یعنی اللہ تعالی سے ڈرو، جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنا حق مانگتے ہو اور قریبی رشتہ داروں کے معاملہ میں بھی اللہ سے ڈرتے رہو۔

اس آیت کریمہ میں قریبی رشتہ داروں کے معاملہ میں اللہ تعالی سے ڈرتے رہنے کا حکم دیا گیا اور اس سے مقصود یہ ہے کہ اپنے عزیز واقارب کے حقوق ادا کرتے ہو اور ان کی حق تلفی قطعا نہ کرو اور ان سے خوشگوار تعلقات قائم کرو اور ان سے حسن سلوک کرو اور بدسلوکی سے بچو۔

اور ان میں جو محتاج ہو ان کی مدد کرو، چنانچہ اللہ تعالی رشتہ داروں کی امداد کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرماتا ہے: "ان الله يأمر بالعدل والاحسان وايتاء ذي القربى" (النحل:۹۰) یعنی بے شک اللہ تعالی عدل کا بھلائی کا اور قرابت داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے۔

حضرت ابوسفیان ؓ کی طویل حدیث شاہ ہرقل کے قصہ میں ہے کہ ہرقل نے ابوسفیان سے پوچھا (جب کہ وہ ابھی کافر تھے) وہ (رسول) تمہیں کس چیز کا حکم دیتا ہے؟ حضرت ابوسفیان کہتے ہیں کہ میں نے کہا وہ کہتا ہے کہ ایک اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور وہ باتیں چھوڑ دو جو تمہارے آباء واجداد کہتے اور کرتے آئے ہیں، اور ہمیں نماز کا، راست بازی کا اور پاک دامنی کا اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے۔ (صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی: ۱/۳۴، صحیح مسلم، کتاب الجہاد، باب کتاب النبی الی ھرقل بدعوۃ الی الاسلام: ۳/۱۷۷)

صلہ رحمی کے فوائد وثمرات: صلہ رحمی کے بہت سے فوائد ہیں، یہاں بطور نمونہ چند ذکر کئے جاتے ہیں:

(۱) صلہ رحمی سے رزق میں کشادگی اور عمر میں برکت آتی ہے:

حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کو یہ بات پسند ہے کہ اس کی روزی میں فراخی اور اس کی عمر میں تاخیر (اضافہ) کیا جائے تو اسے چاہئے کہ صلہ رحمی کرے۔ (صحیح بخاری، کتاب الادب، من بسط لہ فی الرزق: ۵۹۸۶، وصحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب صلۃ الرحم وتحریم قطیعتھا: ۲۵۵۷)

صلہ رحمی کے اخروی اجر وثواب کے علاوہ دوسرے فائدے ہیں جو انسان کو حاصل ہوتے ہیں، رزق میں اضافے سے مراد یا تو فی الواقع مقدار میں زیادتی ہے جو اللہ تعالی کی طرف سے کردی جاتی ہے یا پھر مراد اس کے رزق میں برکت ہے، اسی طرح عمر کی زیادتی کا مسئلہ ہے یا تو یہ حقیقی طور پر زائد کردی جاتی ہے یا مراد اس سے بھی اس کی عمر میں برکت ہے یعنی اس کی زندگی بہر پہلو فوائد سے لبریز ہوتی ہے۔

(۲) صلہ رحمی موجب رحمت الٰہی ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "رحم" سے نکلا ہے، اللہ نے اس سے کہا: من وصلك وصلته ومن قطعك قطعته۔ (صحیح بخاری، الادب، باب من وصل وصلہ اللہ (۵۹۸۸) یعنی جس نے تجھے ملایا، میں اسے جوڑ دوں گا اور جس نے تجھے توڑا میں اس سے قطع تعلق کرلوں گا۔

(۳) صلہ رحمی خاندان میں باہمی محبت کا باعث ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تعلموا من أنسابكم ما تصلون به أرحامكم فان صلة الرحم محبة في الأهل مثراة فى المال منسأة فى الأجر"۔ (صحیح الترغیب والترھیب: ۲۵۲۰)

یعنی تم اپنی نسب معلوم کرلو تاکہ صلہ رحمی کرسکو، کیونکہ صلہ رحمی سے گھر والوں میں محبت پیدا ہوتی ہے، مال میں اضافہ ہوتا ہے اور اجل میں تاخیر ہوتی ہے۔

(۴) صلہ رحمی ایمان کی علامت ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ومن كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليصل رحمه" (صحیح بخاری، باب الادب، باب اکرام الضیف: ۶۱۳۸)

جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ صلہ رحمی کرے۔

(۵) رشتہ داروں کو دینے سے دوگنا اجر ملتا ہے:

حضرت سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "الصدقة على المسكين صدقة وعلى ذوي الرحم ثنتان صدقة وصلة" (صحیح سنن ابن ماجہ: ۱۴۹۴)

مسکین پر صدقہ کرنا صدقہ ہی ہے جبکہ وہ رشتہ دار پر خرچ کرنا صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی۔

صلہ رحمی کے ثمرات وفوائد ان سے بھی زائد ہیں۔ اللہ تعالی ہمیں ان سے مستفید ومستفیض ہونے کی توفیق عنایت کرے۔ ☆☆

جائزہ اپنا اپنا

عبیداللہ ناصر

کیا کوئی پسند کرے گا کہ اس کی رواں دواں زندگی کو اچانک اللہ کی گرفت آدبوچے اور پھر وہ دوسروں کے لیے سامان عبرت بن کر رہ جائے؟ کیا کوئی یہ چاہے گا کہ اسے کسی کی بددعا لگ جائے اور وہ تباہ و برباد ہو جائے؟ کیا کوئی یہ پسند کرے گا کہ روز محشر کے نفسی نفسی کے عالم میں اللہ تعالی اس کی تمام نیکیاں دوسروں کو دے دے اور دوسروں کے گناہ اس کے سر لاد دے؟ کیا کوئی یہ چاہے گا کہ روز قیامت جب انسان کو نور کی شدید ضرورت ہوگی تب اس کے حصہ میں تاریکی ہی تاریکی آئے؟ ظاہر ہے ہم میں سے کوئی بھی ان سوالات کا جواب اثبات میں نہیں دے گا، لیکن افسوس سوائے چند خوش نصیبوں کے ہم سب انہیں عواقب وانجام کی طرف بڑھ رہے ہیں۔

ہماری زندگی میں کیا ہے باہمی الفت ومحبت یا ایک دوسرے سے نفرت وعداوت؟ سکون واطمینان یا قلق واضطراب؟ ہمارے آپسی تعلقات میں مٹھاس زیادہ ہے یا کڑواہٹ؟ ظاہر ہے ہم میں سے اکثر کا جواب وہی ہوگا جو نہیں ہونا چاہئے۔

آخر ایسا کیوں ہے؟ اس کا سبب شاید یہی ہے کہ فلاں شخص نے آپ کے ساتھ زیادتی کی ہے، فلاں نے آپ پر ظلم کیا ہے، فلاں نے آپ کے حقوق پر دست درازی کی ہے، فلاں آپ کو پریشان کرنے میں کوئی کسر نہیں رکھ چھوڑتا، فلاں آپ سے جھگڑے پر آمادہ ہے، اور فلاں .....فلاں .....! لیکن کیا آپ نے دوسروں کے ساتھ؟ .....؟ .....؟ معاف کرنا میں آپ کو کوئی الزام دینا نہیں چاہتا صرف اتنا بتلانا چاہتا ہوں کہ فلاں وفلاں کی طرح ہم سب انسان ہیں، ہم سے بھی گناہ کا ویسے ہی امکان ہے جیسے کسی دوسرے سے ہے، ان چند صفحات کے ذریعہ میں یہ بتلانا چاہتا ہوں حقوق کی عدم ادائیگی، لوگوں پر ظلم وزیادتی، کسی کی عزت ووقار سے کھلواڑ کرنا، کسی کی غیبت چغلی کرنا، کسی کو گالی دینا، کسی کی ملکیت پر دست درازی کرنا، کسی کی چیز کو ناجائز طریقہ سے ہتھیا لینا اور اس قبیل کی دیگر برائیاں کتنا بڑا گناہ ہیں اور ان گناہوں کا متوقع انجام کیا ہے؟

ایک حدیث قدسی میں اللہ نے حکم دیا ہے: ''اے میرے بندو میں نے اپنے اوپر ظلم حرام کرلیا ہے اور تم لوگوں کا آپس میں ایک دوسرے پر ظلم کرنا بھی حرام کر دیا ہے۔ لہذا باہم ظلم روا نہ رکھو۔ معلوم ہوا کہ ظلم وزیادتی قطعا حرام ہے، خواہ زیادہ ہو یا کم ہو، خواہ جس شکل وصورت میں ہو، گالی گلوج کی شکل میں ہو، عزت وآبرو پر دست درازی کی شکل میں ہو، باہمی نزاع میں حاوی ہونے کے لیے غیر مہذب طریقہ اپنانے کی شکل میں ہو، حقوق کی پامالی کی شکل میں ہو، دوسروں کے حدود میں تجاوز کی شکل میں ہو، غبن، غصب، دھوکہ وفریب، چوری وبے ایمانی اور تہمت تراشی کی شکل میں ہو یا ان کے علاوہ کسی دوسری شکل میں ہو، بہرصورت حرام ہے، اور اس سے سروکار نہیں کہ زیادتی کم ہے یا زیادہ، خواہ ایک دو گالی ہو یا گالیوں کی بوچھار ہو، ایک دو طمانچہ ہو لات گھونسوں کی بارش، چند روپئے کا معاملہ ہو یا بات لاکھوں کی ہو، ایک دو انچ تجاوز ہو یا کئی بسوہ کی بات ہو، بہر حال

حرام ہے، اور بہت بڑا گناہ ہے، نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو خبردار کیا ہے کہ ''جس نے بالشت برابر بھی زمین زیادتی کر کے لے لی، اس کے گلے میں سات زمینوں (کے گناہ) کا طوق ڈال دیا جائے گا''۔ (بخاری ومسلم)

ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے کسی مسلمان کے حق کو قسم کے ذریعہ اپنا بنایا تو اللہ نے اس کے لیے جہنم واجب کردی اور اس پر جنت حرام کردی، صحابی نے پوچھا: اگر چہ بہت معمولی چیز ہو تب بھی اے اللہ کے رسول؟ آپ نے فرمایا: ہاں، اگر چہ پیلو کی ڈنٹھل ہی کیوں نہ ہو''۔ (مسلم)

اللہ ایک ہے اور ہم سب اس کے بندے ہیں، اور بندہ ہونے کے ناطے ہم سب برابر ہیں، نہ کوئی بڑا ہے نہ چھوٹا، نہ کوئی اونچا ہے نہ نیچا اور ہم سب ایک ایسے دن پر ایمان رکھتے ہیں جس دن ہر شخص کو اپنے کئے کی جزا یا سزا ملے گی، جس دن انسان ہوگا اور اس کے ساتھ اس کا عمل ہوگا، اور اس کا انصاف ہوگا اور سب کے لیے ایک ہی میزان نصب ہوگا، جس میں ظلم اور مظلومیت برابر نہیں ہو سکتے، کیونکہ ظالم کے قہقہے اور مظلوم کی آہ میں فرق ہے، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا والی بنا کر رخصت کرتے وقت نبی کریم ﷺ نے انہیں چند باتوں کی ہدایت فرمائی، ان میں سے ایک یہ تھی: ''اور مظلوم کی بددعا سے بچ کر رہنا کیونکہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں ہے''۔ (بخاری ومسلم) یعنی کسی کے ساتھ زیادتی نہ کرنا کہ وہ تمہیں بددعا دے دے کیونکہ مظلوم کی بددعا اللہ کی بارگاہ سے نامراد نہیں لوٹتی۔

اور روز قیامت کے انصاف کے بارے میں ہمارے نبی ﷺ نے صاف صاف بیان فرمادیا ہے: ''روز قیامت تمام حقوق اپنے مستحقین کو ضرور بہ ضرور دلا دیئے جائیں گے حتی کہ سینگ دار بکری سے بغیر سینگ کی بکری کو بھی انصاف دلایا جائے گا''۔ (مسلم) اسی لیے رحمۃ للعالمین ﷺ اپنی امت کو رہتی دنیا تک کے لیے یہ وصیت کر گئے ہیں: ''جس کسی نے اپنے مسلمان بھائی کی عزت یا کسی چیز پر زیادتی کی ہو اسے چاہئے کہ اس سے آج (اسی دنیا میں) چھٹکارا کر لے قبل اس کے کہ درہم ودینار نہ رہ جائیں (کیونکہ اس وقت) اگر اس کے پاس نیک عمل ہوگا تو اس کی زیادتی کے بقدر اس کا نیک عمل لے لیا جائے گا اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوں گی تو جس پر زیادتی کی ہے اس کے گناہ اس کے سر ڈال دی جائے گی''۔ (بخاری) ایک دوسری حدیث میں یہی نصیحت دوسرے انداز میں یوں ملتی ہے، صحابہ کرام نبی کریم ﷺ کے پاس تشریف رکھے ہوئے ہیں، آپ ان سے پوچھتے ہیں کہ فلاش کسے کہتے ہیں؟ لوگوں نے جواب دیا ہم میں فلاش وہ ہے جس کے پاس پیسے وساز وسامان نہ ہوں، آپ نے فرمایا: ''درحقیقت میری امت کا مفلس وہ ہے جو روز قیامت آئے گا اس کے ساتھ روزہ، نماز، زکوۃ ہوگی، لیکن اس نے (دنیا میں) کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر تہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال ہضم کر گیا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا، کسی کو مارا پیٹا ہوگا، چنانچہ اس کی نیکیوں میں سے ان سب کو دیا جائے گا، پھر اگر اس کی نیکیاں ختم ہو گئیں قبل اس کے کہ اس کے ذمہ دوسروں کو جو دینا ہے وہ ادا نہ ہو تو ان کے گناہوں کو لے کر اس پر ڈال دیا جائے گا پھر اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا''۔ (مسلم)

کسی مسلمان کے ذہن سے یہ بات اوجھل نہیں ہونی چاہئے کہ تمام قوتوں سے اوپر ایک قوت اور تمام عدالتوں سے

اوپر ایک عدالت ہے جس میں صرف حق وانصاف کی چلتی ہے۔ جس کا حاکم تمام تر قوت وغلبہ والا ہے، جس کے دربار میں نہ تو کوئی مظلوم، بے کس و بے سہارا ہوگا اور نہ کوئی ظالم قوت وطاقت کا مالک، ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں تشریف فرما تھے، اس اثنا حجرے سے باہر کچھ لوگوں کے جھگڑنے کی آواز سنائی دی، آپ ﷺ باہر تشریف لائے، معاملہ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ قدیم وراثت کا جھگڑا ہے جس کا فیصلہ کرانے آپ کے پاس آئے ہیں، آپ نے فیصلہ کرنے سے پہلے فریقین کو بڑی مؤثر نصیحت فرمائی، آپ نے فرمایا: ''درحقیقت میں (تم لوگوں کی طرح) ایک انسان ہوں اور تم لوگ میرے پاس اپنے جھگڑے لاتے ہو، اور ہوسکتا ہے تم میں سے کوئی اپنی دلیل کے معاملہ میں دوسرے سے تیز ہو، پھر میں جو سنوں اس کے مطابق فیصلہ کردوں، تو اگر میں کسی کے حق میں اس کے بھائی کے حق کا فیصلہ کردوں تو وہ درحقیقت اس کے لیے جہنم کا ایک ٹکڑا ہے۔ (بخاری ومسلم)

معلوم ہوا کہ کوئی حاکم یا پنچ اگر کسی کے حق میں کوئی فیصلہ کرتے ہیں لیکن وہ فیصلہ حق وانصاف پر مبنی نہ ہو بلکہ ایک فریق کی داؤں پیچ وقوت بیانی یا دوسرے فریق کی کمزوری وسادہ لوحی سے یا دیگر عوامل ومؤثرات سے متاثر ہے تو ایسے فیصلہ سے کوئی چیز کسی دوسرے کی ملکیت نہیں ہوجاتی، بلکہ جس کی وہ واقعتاً ہوتی ہے درحقیقت اسی کی رہتی ہے اور ایسے فیصلہ کے مطابق دوسرا اگر اس پر قابض ہوتا ہے تو وہ چیز اس کے لیے حرام اور جہنم کا ٹکڑا ہے۔

اسلامی اخوت کا رشتہ جہاں ہم سے یہ چاہتا ہے کہ ہم کسی مسلمان پر ظلم وزیادتی نہ کریں وہیں ہم سے اس بات کا بھی متقاضی ہے کہ اگر کوئی کسی پر ظلم کرتا ہے تو ہم محض خاموش تماشائی نہ بنے رہیں، بلکہ حتی المقدور مظلوم کی مدد کریں اور ظالم کو ظلم سے باز رکھنے کی کوشش کریں، ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا: انصر أخاك ظالما أو مظلوما۔ یعنی اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظلم کرے یا اس پر ظلم کیا جائے۔ اسلامی تعلیمات میں رچے بسے ذہنوں نے فوراً سوال کیا: اے اللہ کے رسول! مسلمان بھائی مظلوم ہو تو ہم اس کی مدد کریں لیکن اگر وہ ظالم ہے تب ہم کیسے اس کی مدد کریں؟ آپ نے فرمایا: اس کا ہاتھ پکڑ کر۔ (بخاری ومسلم) اسلام کا یہی حکم ہے کہ ہم مظلوم کا ساتھ دیں اور ظالم کو ظلم کرنے سے روکیں، لیکن ہم سب نہیں تو ہم میں سے بیشتر لوگ لاشعوری طور پر یا دیدہ ودانستہ دنیوی مفاد یا نفسانی کمزوری کی وجہ سے ظالم کا ساتھ دیتے ہیں، کتنے سادہ لوح ہیں ہم لوگ کہ اس عظیم گناہ کی شدت وگہرائی نہیں سمجھ پاتے اور دوسروں کی دنیا کی خاطر اپنی آخرت تباہ کرلیتے ہیں۔ عموماً ہم لوگ اختلافات وجھگڑوں میں اس فریق کا ساتھ دیتے ہیں جس سے ہمارا کوئی رشتہ، کوئی قربت، کوئی تعلق یا کوئی لگاؤ ہوتا ہے اور اسی فریق کی ساری باتیں ہمیں حق پر مبنی اور درست لگتی ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ہمیں سچائی دکھائی نہیں دیتی، یا ہم دیکھنا نہیں چاہتے، کبھی تو اس لیے کہ ہماری آنکھوں پر عصبیت کی پٹی ہوتی ہے، اور کبھی اس لیے کہ ہم تاریکی میں ہوتے ہیں، ہم واقعہ کے بعض اہم وضروری تفاصیل واجزاء سے بے خبر ولاعلم ہوتے ہیں، واقعات میں سچائی تک پہونچنے کے لیے ہمیں نفس انسانی کا یہ خاصہ اپنے ذہن میں رکھنا چاہئے کہ وہ واقعات کے بیان میں ان اجزاء کو چھپالیتا ہے جس سے اس کا موقف ومدعیٰ

کمزور ہوتا ہے اوران باتوں کومزید بڑھا چڑھا کر پیش کرتا ہے جس سے حریف کی بات ہلکی ہوتی ہو۔کسی دانشور نے کہا تھا کہ اللہ نے انسان کوزبان سے نوازا تا کہ وہ مافی الضمیر بیان کر سکے،لیکن انسان زبان کواس لیے استعمال کرتا ہے تا کہ مافی الضمیر کو چھپا سکے۔اس لیے کسی فریق کا ساتھ دینے یا ہمنوائی کرنے سے پہلے بڑے محتاط طریقہ سے واقعات کے تمام پہلوؤں کی جانچ کر لینی ضروری ہے تا کہ کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ ہمارے نامۂ اعمال میں ایک سیاہ باب جڑ جائے،اس لیے کہ اللہ کی بارگاہ میں فریق و جماعت کا حساب ایک ساتھ نہیں ہوتا بلکہ ہر فریق کو تن تنہا جواب دہ ہونا ہے۔ "وكلهم آتيه يوم القيامة فردا" (مریم:۹۵) یعنی اور ہر شخص کو اللہ کے حضور روز قیامت تن تنہا آنا ہے۔

اگر کوئی یہ جاننا چاہے کہ اسلام میں مظلوم کا ساتھ دینے اور ظالم کو ظلم سے روکنے کی کس قدر تاکید ہے تو مذکورہ بالا احادیث کے ساتھ ان دو احادیث کو دیدۂ بصیرت سے پڑھے۔

(ترجمہ) بے شک لوگ جب ظالم کو دیکھیں اور اس کے ہاتھ کو نہ پکڑیں تو قریب ہے کہ اللہ سب کو اپنے عام عذاب کی گرفت میں لے لے"۔(ترمذی،ابوداود،نسائی)

(ترجمہ) یقیناً واللہ تم لوگ ضرور باضرور معروف کا حکم کروگے اور منکر سے روکوگے اور ضرور باضرور ظالم کے ہاتھ کو پکڑوگے اور ضرور باضرور کسی طرح بھی اسے حق کی طرف موڑوگے اور ضرور باضرور کسی طرح بھی حق پر روکوگے یا اللہ ضرور باضرور تمہارے دلوں میں پھوٹ ڈال دے گا،پھر تم لوگوں پر اللہ کی لعنت ہوگی جس طرح بنو اسرائیل پر اللہ کی لعنت ہوئی"۔ (ابوداود،ترمذی)

نبی کریم ﷺ نے ایک مشہور حدیث میں جس کے راوی جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ہیں،ارشاد فرمایا: "اتقوا الله فإن الظلم ظلمات يوم القيامة" یعنی زیادتی کرنے سے ڈرو کیونکہ (دنیا میں کی گئی) زیادتی روز قیامت تاریکیاں ہوں گی۔(مسلم)

حدیث نبوی کی یہ وعید کوئی معمولی وعید نہیں ہے، کیونکہ روز قیامت کی تاریکی اس دن میں نامرادی وناکامی کے مترادف۔

حضرت ابوموسی اشعری ؓ کی اس حدیث پر میں یہ مضمون پورا کرتا ہوں،آپ نے فرمایا: "إن الله يملي للظالم فإذا أخذه لم يفتله" یعنی بے شک اللہ ظالم کو مہلت دیتا ہے،لیکن جب گرفت کرتا ہے تو بچ کر نکلنے نہیں دیتا۔(بخاری ومسلم)

☆☆☆

صوبۂ جھارکھنڈ میں فتنۂ انکار حدیث اور علمائے اہلحدیث کی مساعی جمیلہ

محمد طیب المدنی
جامعہ رحمانیہ مدھوپور، جھارکھنڈ

اسلام ایک عالمی دین ہے جس کی تکمیل اللہ رب العالمین نے محمد رسول اللہ ﷺ پر کی۔ اسلام کے سرچشمے دو ہیں: قرآن اور حدیث۔ قرآن مجید کے بعد احادیث نبویہ کا مقام ومرتبہ ہے، جس سرچشمۂ ہدایت کی زبان فیض ترجمان سے قرآن مجید کا ظہور ہوا، اسی سے احادیث نبویہ کا بھی صدور ہوا، قرآن مجید نے ان دونوں گراں قدر اصول کو آیت ﴿و أنزل الله عليك الكتاب والحكمة – النساء: ۱۱۳﴾ میں کتاب وحکمت سے تعبیر کیا ہے اور جس طرح ﴿اتبعوا ما أنزل إليكم من ربكم – الأعراف: ۳﴾ میں اتباع قرآن کا حکم دیا ہے، اسی طرح ﴿لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة﴾ (الاحزاب:۲۱) اور ﴿وان تطيعوه تهتدوا – النور: ٥٤﴾ میں اتباع حدیث کا حکم دیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں اللہ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی تاکید اس قدر آئی ہے کہ دونوں کے درمیان خط امتیاز کھینچنا مشکل معلوم ہوتا ہے، اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہمیشہ احادیث رسول کی اشاعت میں اسی طرح کوشاں رہتے تھے جس طرح قرآن مجید کے تحفظ واشاعت میں تھے، خیر القرون سے اب تک امت مسلمہ کا قال اللہ وقال الرسول سے جسم وجان کا رشتہ رہا ہے، عقیدہ وعمل کے اعتبار سے اس امت میں بہت سی گمراہیاں آئیں اور بہت سے فرقے پیدا ہوئے، لیکن کتاب وسنت کو اسلامی شریعت کے بنیادی ماخذ ماننے پر پوری امت متفق ومتحد رہی اور مسلمانوں نے کتاب وسنت کو اپنا مقصد حیات بنائے رکھا، ابتدائی صدیوں میں ایک ایک اسوۂ رسول کو بے مثال تلاش وجستجو اور نہایت سخت معیار تحقیق پر پرکھ کر کتب احادیث کی شکل میں محفوظ کرلیا گیا ہے، جسے دنیائے تحقیق میں آج تک اس امت کا معجزہ قرار دیا جاتا ہے۔

اٹھارہویں صدی کا آخری اور انیسویں صدی کا ابتدائی زمانہ تھا جب مغربی قوموں کا عالمی سیلاب ایک طوفان کی طرح اسلامی ممالک پر امنڈ آیا اور مغربی قومیں ملک وسلطنت کو وسیع وعریض کرنے میں کامیاب ہوگئیں تو مستشرقین نے علوم اسلامیہ کی طرف توجہ دیا اور حدیث کے اندر تشکیک پیدا کیا، سب سے پہلا شخص جس نے بالکلیہ حدیث کے انکار کا اعلان کیا وہ جرمن کا ایک یہودی گولڈزیہر (۱۸۵۰ء-۱۹۲۱ء) ہے، اس نے جرمن زبان میں حجیت حدیث کے خلاف ۱۸۹۰ء میں ایک کتاب بنام ''دراسات اسلامیہ'' لکھا جس کے اندر حدیث رسول پر زبان دراز کیا۔

برصغیر (ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش) پر انگریزوں کی حکومت قائم ہوچکی تھی، اس لیے اس کتاب کی نشر واشاعت بھی برصغیر میں خوب ہوئی، متحدہ ہندوستان کے اندر پہلا شخص غلام نبی عرف عبداللہ چکڑالوی ہے جس نے ۱۹۰۲ء میں

اہل قرآن کی بنیاد رکھی اور اعلان کیا کہ قرآن مجید میں تمام چیزیں موجود ہیں، اس لیے حدیث کی ضرورت نہیں ہے، اس طرح یہ فتنہ (انکارحدیث) ہندوستان پہنچ گیا۔

شہر مدھوپور قدیم ضلع سنتھال پرگنہ کے جنوب میں ایک خوبصورت وصحت بخش مقام نیز علاقے کا قلب ہے، سنتھال پرگنہ کا شمال مشرقی خطہ مجاہدین بالاکوٹ کا خاص مرکز ومحور رہا ہے، جس کی ایک زندہ یادگار جامعہ شمس الہدی السلفیۃ، دلال پور ہے، جہاں سے انقلاب ۱۹۴۷ء تک برابر مجاہدین سرحد کے لیے بمعرفت امارت اہلحدیث صادق پور، پٹنہ (بہار) رسد پہنچتا رہا، اس خطۂ ارضی سے تین افراد پر مشتمل ایک وفد (عبدالجبار، ضمیرالدین اور عبدالسبحان رحمہم اللہ) مجاہدین کے قافلے میں شریک ہوا، جو عرف عام میں جیو، ضمیر اور سبحانی کے نام سے معروف ومشہور ہوئے۔

اس خطۂ ارضی کی دینی واخلاقی تعمیر میں بڑے بڑے اساطین دین وعلم نے حصہ لیا ہے۔ ان بزرگان ملت کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ تھا کہ ضلع سنتھال پرگنہ اپنی تعلیمی وتمدنی پسماندگی میں پورے ملک میں مشہور ہونے کے باوجود کتاب وسنت کی خوشبوؤں سے معطر تھا، اور شرک وبدعات اور محدثات وخرافات وغیرہ ہر قسم کی دینی واعتقادی بگاڑ سے بڑی حد تک محفوظ وپاک تھا، سنتھال پرگنہ ۱۹۱۲ء سے قبل تک صوبۂ بنگال کا ایک حصہ تھا، انگریزوں نے اسے صوبۂ بہار میں شامل کردیا، جھارکھنڈ ۲۰۰۰ء میں صوبۂ بہار سے الگ ایک صوبہ بن گیا، فی الحال سنتھال پرگنہ صوبۂ جھارکھنڈ کا ایک حصہ ہے، اس بات کا تذکرہ ہو چکا ہے کہ علاقۂ مدھوپور سے تین آدمی مجاہدین کے قافلے میں شریک ہوئے تھے، ان بزرگوں کی مساعی جمیلہ کی وجہ سے مدھوپور میں ۱۸۶۵ء میں ایک مسجد کی تعمیر ہوئی، اس مسجد سے متصل ایک مدرسہ بنام ''مدرسہ اسلامیہ'' ۱۹۲۳ء میں قائم کیا گیا۔

مدھوپور میں فتنۂ انکارحدیث کے تعلق سے مولانا قاری عبدالمنان اثری شنکرنگری ضلع بلرامپور (یوپی) مدرسۃ الرشاد کے تعارف میں تحریر کرتے ہیں (دوسری جنگ عظیم کے موقع پر کلکتہ میں بمباری ہوئی، مڈل فیل قسم کا ایک آدمی کانکی نارا کلکتہ سے بھاگ کر مدھوپور آیا اور یہیں آباد ہوگیا (کانکی نارا میں کورٹ کا دلال تھا) اس نے ہومیو پیتھک پریکٹس شروع کی، چند سالوں کے بعد ہومیو پیتھک کلینک قرآنک ریسرچ سوسائٹی میں تبدیل ہوگیا، یہ شخص انتہائی موقع شناس، شاطر اور لفاظ قسم کا تھا، کم علم اور کم فہم لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لینے کا اچھا ڈھنگ وہنر حاصل تھا، اس نے اپنے غیر معمولی شور وشر سے جہلاء اور اوباشوں کی ایک مجلس جمالی اور باقاعدہ انکارحدیث کی تحریک شروع کردی، جس کی وجہ سے شہر مدھپور ومضافات کی دینی واخلاقی حالت کلیۃ تباہ ہوکر رہ گئی) یہی وہ فتنہ ہے جس نے کتاب وسنت کے کاز کی تقویت کے لیے کی گئی صدیوں کی محنت وکوشش، جدوجہد اور مساعی جمیلہ پر بالکل ہی پانی پھیر دیا، اس فتنہ (انکارحجیت حدیث) نے ۱۹۶۶ء میں جامع مسجد اہلحدیث مدھوپور پر غلبہ حاصل کرلیا۔ اس طرح یہ فتنہ مدھوپور ومضافات میں ہاتھ پیر مارنے میں کامیاب ہوگیا۔

جامع مسجد اہلحدیث مدھوپور پر جس وقت منکرین حدیث کا قبضہ ہوا تھا اس وقت مدرسہ اسلامیہ مدھوپور کے صدر مدرس اور جامع مسجد اہلحدیث کے امام وخطیب مولانا قاری عبدالمنان اثری شنکرنگری صاحب تھے، افراد اہلحدیث واخوان جماعت

نے عیدگاہ کو پنجوقتہ نماز و جمعہ کے لیے مسجد میں تبدیل کر دیا، قاری عبدالمنان صاحب نے اس صورت حال کا جائزہ لیا پھر مدرسہ سے مستعفی ہو گئے، وہ مدرسۃ الرشاد کے تعارف میں تحریر کرتے ہیں (مدرسہ اسلامیہ کی میری ملازمت قومی، ملی اور جماعتی مسئلے کا حل نہیں تھا بلکہ ایک سنگ راہ۔ چنانچہ لوگوں کے ہزار اصرار کے باوجود فروری ۱۹۶۸ء میں مدرسہ اسلامیہ کی ذمہ داریوں سے میں نے رخصت لے لی اور ۵/مارچ ۱۹۶۸ء کو ایک ایکڑ زمین موضع کھلجھر یا متصل ڈابھا کینڈ میں اسی اعلیٰ مقصد کے تحت میں نے جامتاڑا کورٹ میں وقف کرایا کہ اس علاقے کی اصلاح اور تعمیر کا کام یہیں سے شروع کیا جائے مگر صد افسوس کہ بعض غیر مخلص ساتھیوں کی وجہ سے کام شروع نہ ہو سکا) قاری عبدالمنان اثری صاحب نے مدھوپور میں کرایہ پر ایک مکان لیا اور اکتوبر ۱۹۷۱ء میں مدرسۃ الرشاد کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جو چند سال کے بعد بند ہو گیا۔

مفسر قرآن مولانا عبدالقیوم رحمانی بستوی رحمہ اللہ جامعہ رحمانیہ مدھوپور کے تاثر میں تحریر فرماتے ہیں: (قاری عبدالمنان اثری اور ہم دونوں شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی (رحمہ اللہ) کے پاس مبارکپور گئے اور مدھوپور و مضافات کے حالات سے مطلع کیا، تو انہوں نے مدھوپور میں ایک آزاد سلفی ادارہ قائم کرنے کا مشورہ دیا اور زمین حاصل کرنے کے لیے دو معتمد علیہ آدمی کو مدھوپور بھیجا) لیکن کامیابی نہیں ملی، مولانا عبدالمنان اثری رحمہ اللہ نے مدھوپور میں ۱۹۸۰ء میں ایک قطعۂ آراضی حاصل کیا، جس پر ایک مدرسہ بنام جامعہ رحمانیہ ۱۹۸۷ء مطابق شوال ۱۴۰۷ھ میں قائم کیا گیا۔ الحمدللہ یہ ادارہ مثبت طریقے سے کتاب وسنت کی خدمت میں مصروف عمل ہے۔

استاذی المحترم مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ اپنی کتاب (انکار حدیث حق یا باطل) کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں (اضلاع سیونی و بالاگھاٹ، مدھیہ پردیش) میں فتنۂ انکار حدیث نے سر اٹھایا ہے اور لوگوں میں اضطراب ہے، فروری ۱۹۷۶ء میں جامعہ سلفیہ بنارس سے راقم الحروف، حافظ نصراللہ صاحب اور استاذ گرامی مولانا شمس الحق السلفی صاحب نے اس علاقے کا دورہ کیا، شبہات پر گفتگو ہوئی اور الحمدللہ دم توڑ گیا، واپسی کے بعد راقم نے ان شبہات کی تردید میں سولہ صفحات کا ایک رسالہ بنام ''انکار حدیث کیوں؟'' شائع کیا، یہ رسالہ مدھوپور (بہار) پہنچ گیا، مدھوپور سے ایک مکتوب بنام ''انکار حدیث یوں'' وارد ہوا) اس کا جواب استاذی المحترم نے کتاب کی شکل میں بنام ''انکار حدیث حق یا باطل'' لکھا جو مئی ۱۹۷۹ء میں جامعہ سلفیہ بنارس سے طبع ہو کر منظر عام پر آ گئی اور یہ کتاب مدھوپور بھی پہنچ گئی تو فضا میں سکوت طاری ہو گیا اور منکرین حدیث بظاہر خاموش ہو گئے۔

جامع مسجد اہلحدیث مدھوپور پر منکرین حدیث کا قبضہ وتصرف اور انتظام وانصرام ہونے کی وجہ سے فتنہ انگیزی، شر پسندی، مکر وفریب، حدیث کے اندر شکوک وشبہات پیدا کرنے، لوگوں کے ذہن ودماغ کو خراب کرنے اور گمراہیاں پھیلانے میں پہلے سے زیادہ متفق ومتحد اور مضبوط ومستحکم ہو گئے، وہ اپنے مکر وفریب کی وجہ سے مدرسہ اسلامیہ مدھوپور کے ذمہ دار بھی بن گئے، کیونکہ یہ ادارہ مدرسہ اکزامینیشن بورڈ بہار سے ملحق ہے، چنانچہ قرآنک ریسرچ سوسائٹی کی جانب سے دو کتابچے: ایمان وعمل اور مخزن علم وبصیرت منظر عام پر آ گئے، ان دونوں کتابچے کی وجہ سے مدھوپور و مضافات کا ماحول مزید

خراب ہوگیا، ایسی صورت میں راقم الحروف (محمد طیب المدنی) نے دونوں کتابچوں کا جواب بنام ''قول فیصل'' لکھا جس میں ان دونوں کتابچوں کا بھرپور جائزہ لیا گیا، ان کی جہالت وضلالت کا پردہ چاک کیا گیا اور قرآن مجید واحادیث نبویہ کی روشنی میں ان کے شکوک وشبہات کا ازالہ کیا گیا، چنانچہ یہ کتاب جامعہ سلفیہ بنارس سے اکتوبر ۱۹۹۷ء میں طبع ہوکر منظر عام پر آگئی جس کی وجہ سے منکرین حدیث بالکل ہی خاموش ہوگئے۔

اس بات کا تذکرہ ہو چکا ہے کہ مولانا قاری عبدالمنان اثری شنکرنگری رحمہ اللہ ۱۹۸۰ء میں مدھوپور میں ایک قطعۂ آراضی مدرسہ کے نام حاصل کر چکے تھے، احباب واخوان جماعت اہلحدیث مدھوپور ومضافات نے اس معاملہ پر غور وفکر کیا کہ مجاہدین بالاکوٹ نے اس سرزمین میں دین وایمان کی آبیاری کے لیے جو محنتیں وکوششیں صرف فرمائیں تھیں ان کے آثار ونشانات کو محفوظ رکھا جائے، اس لیے مدھوپور میں حاصل کردہ قطعۂ آراضی پر ایک آزاد سلفی ادارہ قائم کیا جائے، چنانچہ ایک مدرسہ بنام ''جامعہ رحمانیہ'' ۱۹۸۷ء میں قائم کیا گیا، یہ ادارہ معروف معنوں میں صرف ایک روایتی درسگاہ نہیں ہے، بلکہ ایک عظیم دینی وملی تحریک ہے جو عصر حاضر میں دینی وملی تقاضوں کو بروئے کار لانے، فتنۂ انکار حدیث کا قلع قمع کرنے، احیاء کتاب وسنت کرنے اور جماعت اہلحدیث کی پوزیشن کو مضبوط ومستحکم کرنے کے لیے پورے ایمان ویقین اور علم وبصیرت کے ساتھ برپا کیا گیا ہے، اسی مقصد کے تحت اس سے قبل مدھپور سے تقریبا ۲۵-۲۶ کیلومیٹر دور ایک ادارہ بنام ''جامعہ محمدیہ'' ڈابھا کیند اکتوبر ۱۹۷۷ء میں قائم کیا گیا تھا، کیونکہ فتنۂ انکار حدیث کی وجہ سے جماعت اہلحدیث کے اندر بہت ہی زیادہ اضطراب وانتشار تھا، ایسی صورت حال کو دیکھتے ہوئے ارباب حل وعقد نے اس کے سدباب کے لیے قدم اٹھایا تھا۔

شہر مدھوپور میں جامعہ رحمانیہ کے قیام کی وجہ سے جماعت اہلحدیث کو بہت ہی زیادہ تقویت ملی، ان دونوں ادارے کے علاوہ وہ طلبہ جو جامعہ سلفیہ بنارس، مدارس مئوناتھ بھنجن اور دیگر مدارس سے فارغ ہوئے، مزید وہ طلبہ جو مدینہ یونیورسٹی (سعودی عرب) سے فارغ ہوکر وطن واپس ہو چکے تھے، ان کے علاوہ ہندوستان کے اکابر علمائے اہلحدیث نے اس علاقے پر خاص طور سے توجہ دی اور موقع بموقع اجلاس عام میں شرکت فرما کر کتاب وسنت کی روشنی میں اسلام کی حقانیت پر روشنی ڈالی جس کی وجہ سے ماحول پر بہت ہی اچھا اثر ہوا اور فتنۂ انکار حدیث کا زور ختم ہونا شروع ہوا۔

جس وقت منکرین حدیث نے جامع مسجد اہلحدیث مدھوپور پر قبضہ کیا تھا اس وقت جماعت کے پاس کوئی مسجد نہیں تھی، اس لیے افراد جماعت نے عیدگاہ کو مسجد میں تبدیل کر دیا تھا، چند سالوں کے بعد ۱۹۹۸ء میں ایک چھوٹی مسجد توسیع کے بعد جامع مسجد بن گئی، اس کے علاوہ ۲۰۱۱ء میں ایک مسجد کی تعمیر ہوئی وہ بھی جامع مسجد ہے، پھر احباب واخوان جماعت اہلحدیث نے اس مسجد پر توجہ دی جو منکرین حدیث کے قبضہ وتصرف میں تھی۔ الحمد للہ ۲۴/ اگست ۲۰۱۲ء کو جامع مسجد اہلحدیث مدھوپور کو جماعت اہلحدیث حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی، اس طرح اس وقت شہر مدھوپور میں جماعت اہلحدیث کے پاس چار جامع مساجد ہیں۔ فللہ الحمد والشکر۔

☆☆

دعوت الی اللہ.....وقت کی اہم ضرورت

ایثار الدین ابوالکلام/فضیلت سال دوم
متعلم جامعہ سلفیہ بنارس

دین اسلام اللہ کا پسندیدہ اور آخری دین ہے، اس کی تکمیل پیغمبر اسلام محمد ﷺ پر ہوئی، آپ کے بعد امت کی اصلاح اور ہدایت ورہنمائی کی ذمہ داری وارثین انبیاء علماء کرام پر ڈالی گئی ہے۔

آج امت مسلمہ میں ہر طرف خرافات کا بازار گرم ہے، بے راہ روی اپنے عروج پر ہے، ایسے وقت میں امت مسلمہ خاص کر علماء کی ذمہ داری اور بڑھ جاتی ہے، آج ہم دعوت دین کے اہم فریضہ سے غافل نظر آتے ہیں اور اس ذمہ داری سے کافی دور چلے گئے ہیں، جب کہ قرآن میں اس کے ادا کرنے کی بار بار تاکید آئی ہے، اس اہم فریضہ سے غفلت برتنا ایک بہت بڑی کوتاہی ہے، اس لئے اس کی طرف توجہ دینے کی سخت ضرورت ہے۔

دعوت دین کی اہمیت کے پیش نظر سب سے پہلے ہمیں یہ جاننا ضروری ہے کہ دعوت دین کا مفہوم کیا ہے، اور اس سے ہماری مراد کیا ہے، دین کی دعوت کا مطلب یہ ہے کہ وہ مسلمان جن کے اندر دین کی سمجھ اور وعظ ونصیحت کی صلاحیت ہو، وہ ہر جگہ اور ہر دور میں لوگوں کو اللہ کی طرف بلائیں اور دین اسلام عقیدتا اور عملا اختیار کرنے کی ترغیب دیں، اور اس ذمہ داری کی ادائیگی کے لئے ایسے وسائل اور طریقے اپنائیں جو عصری تقاضوں اور لوگوں کے ذہنی وعقلی سطح سے مطابقت رکھتے ہوں۔

اسی دینی دعوت کی مہم کے لئے رسالت کا سلسلہ جاری ہوا، انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی بعثت ہوئی، کتابیں نازل کی گئیں، صحیفے اتارے گئے اور ہر دور میں اللہ کے پیغمبروں نے اللہ کا پیغام بندوں تک پہونچایا، اللہ کا ارشاد ہے: ﴿**ولقد بعثنا فی کل أمة رسولا أن اعبدوا االله واجتنبوا الطاغوت**﴾ (النحل:۳۶)

''ہم نے ہر امت میں ایک رسول کو اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ اللہ کی عبادت واطاعت کرو اور باطل معبودوں کی بندگی سے بچو''۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی کا حکم ہوا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو بھی مکلّف بنایا گیا، فرمان الٰہی ہے: ﴿**قل هذه سبيلي أدعو إلى الله على بصيرة أنا ومن اتبعني وسبحان الله وما أنا من المشركين**﴾ (یوسف:۱۰۸) ''آپ کہہ دیجئے میری راہ یہی ہے میں اور میرے متبعین اللہ کی طرف بلا رہے ہیں پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ اور اللہ پاک ہے، اور میں مشرکوں میں سے نہیں''۔ اور چونکہ اس کائنات میں تخلیق انسانی کا مقصد ہی اللہ کی اطاعت وبندگی ہے جیسا کہ ارشاد ہے، ﴿**وما خلقت الجن والانس إلا ليعبدون**﴾ (الذاریات:۵۶) ''میں نے جنات اور انسانوں کو محض اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں'' لہذا دعوت دین کی اشرف واہم ذمہ داری پوری کئے بغیر

نہ تو انسانوں کے لئے راہ ہدایت جاننا ممکن ہے، اور نہ ہی دستور زندگی اور ان طور طریقوں سے واقفیت کا امکان ہے جن کے مطابق وہ اللہ کی عبادت و بندگی کر کے دنیا و آخرت میں بھلائی، سعادت اور خوش بختی حاصل کر سکیں، اللہ تعالی کا یہ دین ہمارے لیے سفینہ نجات اور بھٹکی ہوئی انسانیت کے لئے روشنی کا مینار ہے، اور اس نعمت عظمی کا تذکرہ یوں فرمایا ہے:

﴿قَدْ جَاءكُم مِّنَ اللّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ، يَهْدِي بِهِ اللّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلاَمِ وَيُخْرِجُهُم مِّنِ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ﴾ (المائدہ:۱۵-۱۶)''تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور واضح کتاب آچکی ہے، جس کے ذریعہ سے اللہ تعالی انہیں جو رضائے رب کے درپے ہوں، سلامتی کی راہیں بتلاتا ہے، اور اپنی توفیق سے اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے اور راہ راست کی طرف ان کی رہبری کرتا ہے''۔

معلوم یہ ہوا کہ دین اسلام جو کہ انسانیت کی سلامتی اور نجات کا واحد ذریعہ ہے اور اسی پر اس کی دنیوی واخروی سعادت کا دارومدار ہے، آج کے اس دور میں اس کی طرف دعوت اور اس کی نشر واشاعت کی ضرورت واہمیت اسی طرح ہے جس طرح زمانہ جاہلیت میں تھی، بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ آج اس کی ضرورت زیادہ بڑھ گئی ہے، اس لئے کہ جاہلیت اولی کے مقابلہ میں اس زمانہ کی جاہلیت، عقل فکر کے لئے زیادہ خطرناک اور قلب وروح کے لئے انتہائی زہر آلود اور مہلک ہے، آپ آس پاس کے ماحول پر نظر ڈالیں تو یہ بات ظاہر وعیاں نظر آئے گی کہ اللہ کی نافرمانیوں کے لئے ہر طرح کے جدید آلات ووسائل کا استعمال ملکی پیمانہ پر کیا جارہا ہے، اور مختلف قسم کے ذرائع ابلاغ عقائد واخلاق کی تخریب اور گمراہ کن افکار وخیالات کی ترویج اور مذاہب باطلہ کی تبلیغ کی مہم میں لگے ہوئے ہیں، دینی بے حسی، غفلت شعاری اور مادہ پرستی اپنے عروج پر ہے، امت مسلمہ کی ایک بڑی جماعت اللہ کی وحدانیت سے منہ موڑ کر قبروں، مزاروں، چرچوں اور مندروں سے اپنا رشتہ جوڑ چکی ہے، کھلے عام شرکیہ اعمال اور بدعات وخرافات کا ارتکاب کیا جارہا ہے، جہالت کے پھیلاؤ کی وجہ سے عام مسلمانوں کے اندر فرسودہ اوہام وخیالات اور بے جا رسم ورواج نے جڑ پکڑ رکھا ہے، غیروں کی دیکھا دیکھی نوجوان طبقے میں فیشن اور روشن خیالی کے نام پر دین سے دوری بڑھتی چلی جارہی ہے، اور اس سے بڑھ کر الکٹرانک میڈیا کے ذہن ودماغ کو مسموم کرنے والے اور فحاشی کی دعوت دینے والے پروگراموں کے زیر اثر اور بین الاقوامی کمپنیوں کے کلچر کے سبب مغرب زدگی، اخلاقی انارکی اور بے لباسی نے خطرناک صورت حال اختیار کر لی ہے، ان حالات میں دین اسلام کی تبلیغ واشاعت، اللہ کی طرف دعوت اور اصلاح معاشرہ کی ضرورت واہمیت پہلے سے کہیں بڑھ جاتی ہے، تاکہ اصلاح وتربیت کا وہ کام انجام دیا جاسکے، جو رسول اللہ ﷺ وصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے عظیم ورثہ کے طور پر ملا ہے۔

اس دینی دعوت کی ذمہ داری جس طرح رسول اللہ ﷺ پر فرض تھی اور آپ نے حسن وخوبی اسے انجام دیا، اور اپنی طرف سے حجت تمام فرمادی، اسی طرح سے داعیان اسلام پر بھی فرض ہے، یہ الگ بات ہے کہ علماء کے درمیان اس میں اختلاف ہے کہ دعوت دین کی فرضیت فرض عین ہے یا فرض کفایہ، لیکن دلیلوں کی روشنی میں راجح رائے یہ ہے کہ بیک وقت فرض عین بھی ہے۔ اور فرض کفایہ بھی، فرض عین ہونے کا مطلب تو یہ ہے کہ امت کا ہر فرد جتنا کہ اسے شرعی دلائل کے ساتھ علم ہے، اس قدر

وہ تبلیغ دین کا مکلّف ہے، جس کی دلیل حضرت ابن عباس کی نبی کریم ﷺ سے روایت ہے جس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب العلم میں بطور باب نقل کیا ہے، ارشاد ہے: "**ليبلغ الشاهد الغائب**"(البخاری: **باب ليبلغ الحاضر الشاهد، كتاب العلم**) "حاضر غائب کو علم پہونچادے"۔

اور حاضر کے مفہوم میں ہر وہ مسلمان آتا ہے جس کو اسلام کی تعلیمات کا کچھ علم ہو، فرض کفایہ کا مفہوم یہ ہے کہ امت کے وہ افراد جن کے پاس اختیار وقدرت ہے اور خاص طور پر ارباب حل وعقد مراد ہیں وہ علماء کی جماعت تیار کریں، جن کے ذمہ دین کی دعوت کا کام ہو، جیسا کہ اللہ نے اس کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: ﴿**فلولا نفر من كل فرقه منهم طائفة ليتفقهوا في الدين ولينذروا قومهم إذا رجعوا إليهم** ﴾(التوبہ : ۱۲۲) "تو ایسا کیوں نہ ہو کہ مسلمانوں کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت نکلے تاکہ وہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرے اور جب اپنی قوم کے پاس لوٹ کر واپس آئے تو انہیں ڈرائے۔

دعوت دین کی شرطیں:

جہاں تک دعوت دین کی شرطوں کا تعلق ہے، تو اس کی پہلی شرط (۱) اخلاص ہے، داعی کے لئے ضروری ہے کہ وہ دعوت میں مخلص ہو، کسی طرح کی شہرت وتعریف مقصود نہ ہو، اگر ریا کاری، شہرت یا لوگوں کی واہ واہی لینا مقصود ہو تو اللہ کے میزان میں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں، اللہ کی طرف دعوت، اللہ ہی کے لئے ہونا چاہئے، ارشاد باری تعالی ہے: ﴿**ومن أحسن قولا ممن دعا إلى الله وعمل صالحا وقال إنني من المسلمين**﴾(فصلت :۳۳)"اس سے زیادہ اچھی بات کس کی ہوسکتی ہے جو اللہ کی طرف دعوت دے، نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمان ہوں"۔

(۲) علم: جس چیز کی دعوت دے رہا ہے اس کا اسے علم ہو اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿**قل هذه سبيلي أدعو إلى الله على بصيرة**﴾ (یوسف :۱۰۸) کہہ دو کہ یہ میرا راستہ ہے میں علم ویقین کے ساتھ اللہ کی طرف بلاتا ہوں"۔

اور اگر علم کے بغیر دعوت کا کام کرتا ہے تو وہ جاہل خود بھی گمراہ ہوگا اور دوسروں کو بھی گمراہ کرے گا، اور بنانے سے زیادہ بگاڑے گا اور ایسے شخص کے لئے بڑی وعیدیں ہیں۔

(۳) حکمت، حلم وبردباری: دعوت میں حکمت ودوراندیشی سے کام لے اور باتوں میں نرمی اختیار کرے، اللہ کا ارشاد ہے: ﴿**ادع إلى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنه**﴾(النحل: ۱۲۵) "اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلاؤ۔

(۴) عمل کا غازی: اپنی دعوت کا خود عملی نمونہ ہو، لہذا جس چیز کی دعوت دے اس پر عمل بھی کرے، ورنہ اس کی بات بے اثر ثابت ہوگی، بلکہ اس کے بارے میں برا تاثر قائم ہوگا، اللہ نے ایسے لوگوں کو یوں تنبیہ فرمائی ہے: ﴿**أتامرون الناس بالبر وتنسون أنفسكم**﴾(البقرہ: ۴۴) "کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو"۔

رب العالمین سے دعا ہے کہ ہمیں دین کا سچا اور مخلص داعی بنائے اور ہمارے اعمال کو قبول فرمائے، آمین۔

☆☆☆

مولانا محمد یحییٰ صاحب بنارسی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت ۲۷/جون ۱۹۲۲ء وفات ۲۵/اکتوبر ۲۰۰۴ء

مولانا محمد یونس مدنی/استاد جامعہ سلفیہ

نام ونسب: مولانا محمد یحییٰ بن مولانا عبدالمتین بن حافظ عبدالرحمٰن بن حافظ عبدالرحیم بن اللہ بخش بن نذر محمد بن پیر محمد عرف فرنگی۔

مولانا بنارس کے مشہور علمی خانوادہ ''تاجا'' گھرانے کے چشم وچراغ تھے، آپ ۲۷/جون ۱۹۲۲ء میں محلّہ مدن پورہ میں پیدا ہوئے اور یہیں نشو ونما پائی۔

تعلیم وتربیت: آپ کا گھرانہ شرافت ومروت، تہذیب واخلاق اور سخاوت وفیاضی میں بڑا مشہور ہے، آپ کی تربیت آپ کے والد محترم جناب مولانا عبدالمتین ؒ (م ۱۹۶۴ء) کی نگرانی میں ہوئی اور تعلیم بنارس کے معروف ومشہور اور موقر ادارہ جامعہ رحمانیہ میں ازابتدا تا انتہا بزرگ اساتذۂ کرام کی نگرانی میں ہوئی۔

اساتذۂ کرام: مولاناؒ کے اساتذۂ کرام میں مولانا عبدالغفار حسن رحمانی (جو جامعہ رحمانیہ میں ۱۹۳۵ء سے ۱۹۴۴ء تک رہے)، مولانا عبدالرؤف صاحب جھنڈانگری (م ۱۹۹۹ء)، مولانا منیر خاں ؒ (م ۱۹۴۵ء)، مولانا عبدالمعید صاحب ؒ (م ۱۹۸۰ء) وغیرہ کے نام ملتے ہیں۔

مولانا عبدالغفار حسن سے آپ نے معقولات کی کتابیں پڑھیں، مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری (م ۱۹۹۹ء) سے ادب کی کتابیں پڑھیں اور صحیحین کا درس مولانا محمد منیر خاں ؒ (م ۱۹۴۵ء) سے لیا، مولانا نے انٹر تک انگریزی کی تعلیم بھی حاصل کی تھی۔

مولانا بڑے ذہین وفطین تھے، زمانۂ طالب علمی میں مضمون نگاری سے بھی دلچسپی رکھتے تھے، انجمن جامعہ رحمانیہ سے نکلنے والا کتابچہ ''گلدستۂ بنارس'' میں آپ کے کئی مضامین نظر نواز ہوئے۔

ذہانت کا یہ عالم تھا کہ ۱۹۴۲ء میں فاضل ادب کے امتحان میں شریک ہوئے تو پورے یوپی میں پہلی پوزیشن حاصل کی تھی، اس زمانے میں بطور انعام گورنمنٹ کی طرف سے دس روپئے دیئے گئے تھے۔ (ریکارڈ جامعہ رحمانیہ)

مشغلہ: تحصیل علوم سے فراغت کے بعد اپنے آبائی پیشہ بنارسی ساڑی کی تجارت سے وابستہ ہوگئے اور کاروبار کرنے لگے لیکن ساتھ ہی ساتھ علم وعمل سے بھی تعلق رہا، اور مدارس کی مختلف ذمہ داریاں بھی سنبھالتے رہے۔

جامعہ سلفیہ کے قیام سے پہلے جامعہ رحمانیہ بنارس کا اہتمام وانتظام مولانا عبدالمتین ؒ (م ۱۹۶۴ء) کے ذمہ تھا، تو مولانا عبدالاحد صاحب ؒ (م ۱۹۶۱ء)، الحاج محمد صدیق صاحب ؒ، الحاج محمد فاروق ؒ، مولانا حافظ محمد ابوالقاسم ؒ (م ۱۹۶۵ء)، مولانا محمد یحییٰ ؒ مشیر کار رہا کرتے تھے، مہتمم ؒ کے صاحبزادے مولانا محمد یحییٰ صاحب جامعہ رحمانیہ کی دیکھ ریکھ کیا کرتے تھے۔ (بروایت مولانا عبدالوحید صاحب سابق شیخ الجامعہ ؒ)

شوق مطالعہ: علوم دینیہ سے شیفتگی اور شوق مطالعہ بہت زیادہ تھا، تفسیر، سیرت، تاریخ اور حدیث کی کتابوں اور ان کی شروح سے آپ کو خصوصی شغف تھا، آپ علامہ ابن تیمیہؒ اور علامہ ابن قیمؒ کے بڑے مداح تھے، اور ان دونوں حضرات کی کتابیں اکثر مطالعہ میں رہتی تھیں، خاص طور سے منہاج السنۃ کا، اور دوسروں کو بھی مطالعہ کرنے کی ترغیب دیتے تھے، دور حاضر میں علامہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن بازؒ اور علامہ البانیؒ کی تحریر کو دلچسپی اور شوق کے ساتھ پڑھا کرتے تھے، جماعتی میگزین سے بھی شغف تھا، سیرت سے دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ جب آپ کو معلوم ہوا کہ مولانا قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری کی اردو میں سیرت پر لکھی ہوئی کتاب رحمۃ للعالمین کا عربی میں ترجمہ ہوگیا ہے اور بمبئی میں طبع ہوکر منظر عام پر آچکی ہے تو آپ نے فورا ممبئی سے کتاب منگوائی اور اپنے مطالعہ میں رکھا۔

جامعہ سلفیہ سے نکلنے والا عربی مجلّہ ''صوت الامۃ'' اور اردو میگزین ''محدث'' کو برابر پڑھا کرتے تھے اور علماء کی تحریر پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے، لیکن مولانا کو کبھی تقریر کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

علماء کرام سے تعلق: جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس سے آپ کو والہانہ محبت تھی، جامعہ کے اساتذہ کرام کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے ویسے بھی آپ علماء کرام سے خاص لگاؤ اور گہرا تعلق رکھتے تھے۔

علماء سے ملنے اور علمی موضوع پر گفتگو کرنے کا بہت شوق تھا، چنانچہ مولانا صفی الرحمٰن صاحب مبارکپوریؒ (م ۲۰۰۶ء) نے رابطہ عالم اسلامی کے سیرت کے مقابلہ میں نمایاں کارنامہ انجام دیا اور آپ کو پہلا مقام حاصل ہوا تو مولانا کو ان سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا، اتفاق سے راقم کو ایک دن ان کے یہاں جانا ہوا تو مجھ سے کہا کہ کسی دن مولانا کو ہمارے یہاں لاؤ، جامعہ آکر میں نے مولانا سے کہا تو مولانا نے رضامندی کا اظہار کیا، دوسرے دن مولانا کے ساتھ ان کے دولت کدہ پر پہنچا تو مولانا سے کافی دیر تک سیرت کے موضوع پر گفتگو کرتے رہے، اسی طرح جب ڈاکٹر رضاء اللہ صاحبؒ (م ۲۰۰۳ء) جامعہ سلفیہ میں شعبۂ تدریس وتصنیف سے جڑے اور آپ کے عربی مضامین جامعہ کے میگزین ''صوت الامۃ'' میں شائع ہونے لگے تو ان سے بھی مولانا کو ملاقات کا شوق ہوا، میں ایک دن قبیل مغرب ڈاکٹر صاحب کے ساتھ مولاناؒ کے مکان پر حاضر ہوا اور تھوڑی سی گفتگو کے بعد نماز مغرب کی ادائیگی کے لیے ہم لوگ مسجد چلے آئے۔

طلبہ سے شفقت ومحبت: مولانا جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس کے رکن رکین تھے، اساتذۂ کرام کے قدرداں تھے، اور طلبہ پر بے حد شفیق ومہربان تھے، جب طلبہ کا کوئی مسئلہ جامعہ میں حل نہ ہوتا تو فورا مولاناؒ کے پاس پہنچ جاتے، طلبہ کے حق میں فیصلہ کی سفارش کردیتے، اس طرح طلبہ خوش خوش جامعہ واپس چلے آتے، مولانا کبھی کبھار جامعہ رحمانیہ تشریف لاتے، خاص طور سے نحو سے متعلق سوالات کرتے، مشکل مسائل کو اس قدر دل نشین انداز میں سمجھاتے کہ طلباء اسے کبھی نہ بھولتے۔

منصب: آپ جامعہ سلفیہ کے تاسیسی ممبر اور اہم رکن تھے، ہر چند کہ جامعہ سے آپ کو محبت تھی، آپ کی خواہش تھی کہ جامعہ ترقی کے منازل طے کرے، اچھے فارغین جامعہ سے نکلیں اور دعوت وتبلیغ، درس وتدریس اور تالیف وتصنیف میں نمایاں کارنامہ

انجام دیں لیکن آپ نے کبھی عہدہ اور منصب کی خواہش نہیں کی پھر بھی ذمہ داران جامعہ نے آپ کو جامعہ کا نائب صدر منتخب کیا، لیکن جب شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ رحمانیؒ (م ۱۹۹۴ء) شارح مشکاۃ المصابیح دار فانی سے کوچ کر گئے تو جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم) بنارس کے صدر کا منصب خالی ہو گیا، بزرگان جماعت کی نظر بقیۃ السلف مولانا محمد یحییٰ بنارسیؒ پر پڑی اور جامعہ کی مجلس عاملہ نے آپ کو باتفاق رائے صدر منتخب کر لیا۔

مولانا کا حدیث سے شغف: جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم) بنارس کا تعلیمی معیار پورے ملک میں مشہور ہے، بالخصوص جامعہ میں عربی ادب کے ساتھ ساتھ حدیث اور عقیدہ میں بہت زور دیا جاتا ہے، دوسرے مدارس و جامعات سے طلبہ جامعہ میں حدیث وعقیدہ میں مہارت کے لیے داخلہ لیتے ہیں، مولانا محمد یحییٰ صاحب بنارسیؒ کو تفسیر، عقیدہ اور سیرت کے ساتھ ساتھ حدیث میں بڑی دلچسپی تھی، مولاناؒ جب کبھی کبھار جامعہ تشریف لاتے اور فصول (کلاس) کا جائزہ لیتے اور جس کلاس میں حدیث کا درس ہوتا اس کلاس میں داخل ہوتے اور طلبہ کے ساتھ بیٹھ جاتے، غور سے حدیث کا درس سنتے اور استاد حدیث سے اس مسئلہ میں بحث ومباحثہ کرتے جس میں بحث کی ضرورت پیش آتی اس سے نہ صرف یہ کہ مولانا کی حدیث سے محبت کا پتہ چلتا ہے بلکہ ان کی جامعہ کے تئیں ذمہ داری کا احساس بھی معلوم ہوتا ہے۔

علالت ووفات: مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کے بڑے صاحبزادے جناب محمد سالم صاحب سے ان کی علالت و بیماری کے بارے میں دریافت کیا کہ مولانا کو کون سی بیماری تھی تو انہوں نے کہا کہ والد محترم کو کوئی بیماری نہیں تھی، ہاں بے حد کمزوری اور نقاہت محسوس کرتے تھے، اور کمزوری کی وجہ سے کام چھوڑ کر آرام کرتے تھے، جامعہ اور فرم کے کاغذات پر جو دستخط کرنا ہوتا، کاغذات ان کے پاس بھیج دیا جاتا تھا وہ دستخط کر دیا کرتے تھے، ایک دن میں نے فرم کے کچھ کاغذات دستخط کرانے کے لیے ملازم کو بھیجا تو ملازم گھبرایا ہوا آیا اور کہا دادا کی طبیعت بالکل ٹھیک نہیں ہے، جب ہم لوگ دیکھنے گئے تو والد محترم کی روح قفص عنصری سے پرواز کر چکی تھی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

تجہیز وتکفین: مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کا انتقال ۲۵/ اکتوبر ۲۰۰۴ء بوقت ساڑھے چار بجے شام میں ہوا، اور دوسرے دن صبح دس بجے نماز جنازہ ادا کی گئی، نماز جنازہ مولانا احسن جمیل صاحب مدنی حفظہ اللہ نے پڑھائی اور اپنے آبائی قبرستان سگرا باغ میں سپرد خاک کر دیئے گئے، اللھم اغفر له وارحمه ووسع مدخله۔

مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کے پسماندگان میں تین لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں۔

لڑکوں کے نام یہ ہیں: (۱) محمد سالم (۲) عتیق احمد (۳) محمد سلمان

ماشاء اللہ تینوں صاحبزادے اپنے آبائی پیشہ بنارسی ساڑی کی تجارت میں مصروف ہیں اور صوم وصلاۃ کے پابند ہیں۔

☆☆☆

اخبار جامعہ

سخت سردی کی وجہ سے اسباق بند:

دسمبر کے آخری ایام میں بنارس میں درجۂ حرارت کافی کم ہوگیا جس کی وجہ سے شہر کے ڈی ایم صاحب نے ہائی اسکول تک کے تمام تعلیمی اداروں کو ۵؍جنوری تک بند رکھنے کا حکم صادر فرمایا، اس کے بعد دوسرا حکم جاری کر کے یہ تعطیل ۱۲؍جنوری تک بڑھادی گئی، اسی سردی کی وجہ سے جامعہ سلفیہ میں شعبہ متوسطہ، ثانویہ، عالمیت اور حفظ وتجوید کے شعبہ کی تعطیل کردی گئی، ۶؍جنوری سے فضیلت کے درجات کی بھی تعطیل کردی گئی، اس تعطیل میں قرب وجوار کے بعض طلباء اپنے گھروں کو روانہ ہوگئے۔ تعطیل کے بعد ۱۲؍جنوری بروز سنیچر سے تعلیمی سرگرمیاں دوبارہ شروع ہوگئیں اور طلباء اپنے گھروں سے بخیر وعافیت وقت پر واپس آگئے۔

عالمی کانفرنس کی تیاری:

جامعہ سلفیہ بنارس میں مارچ کے وسط میں منعقد ہونے والی عالمی کانفرنس کی تیاری باضابطہ شروع کردی گئی ہے، بیرون ملک کی موقر شخصیات سے رابطہ اور ان کی تشریف آوری کی منظوری بھی حاصل کی جارہی ہے، نیز اس موقع پر منعقد ہونے والا عالمی سیمینار کے مجوزہ عناوین کو قطعی شکل دے دی گئی ہے اور اس کے مقالہ نگار شرکاء کا انتخاب اور ان سے رابطے کا عمل بھی جاری ہے، اسی مناسبت سے سیرت طیبہ کے موضوع پر ایک علمی نمائش منعقد کرنے کی تیاری کی جارہی ہے، جس میں سیرت کے اہم واقعات کے خاکے اور تاریخی اعداد وشمار پیش کئے جائیں گے، ان شاء اللہ۔

ششماہی امتحان کی تیاری:

جامعہ سلفیہ کا ششماہی امتحان اپنے اعلان کے مطابق ۲۲؍جنوری کو شروع ہوگا، اور حسب سابق امسال بھی شاخوں کے طلباء ششماہی امتحان جامعہ میں آکر دیں گے۔ امید کی جاتی ہے کہ ان کی آمد کا سلسلہ ۱۵؍جنوری کے بعد سے شروع ہوجائے گا اور ان کے قیام کا انتظام درسگاہوں میں رہے گا۔

لجنۃ الاختبار (امتحان کمیٹی) کے اراکین اساتذہ کرام کی ایک نشست منعقد ہوئی جس میں امتحان سے جڑے ہوئے متعدد مسائل پر غور وخوض کیا گیا اور امتحان کی تیاری کا جائزہ لیا گیا۔

ششماہی امتحان کی تاریخ قریب ہونے کی وجہ سے جامعہ سلفیہ کے طلباء کی غیر درسی نشاطات کو عارضی طور پر روک دیا گیا ہے، اب تقریری وتحریری سرگرمیاں، لجنۃ الثقافۃ کا پروگرام اور دارالکتب ودارالمطالعہ سے استفادہ ششماہی امتحان کے بعد دوبارہ تعلیم کے آغاز کے بعد ہی کیا جاسکے گا۔

☆☆☆

عالم اسلام

ظل الرحمٰن سلفی رسنٹرل لائبریری جامعہ سلفیہ

برطانیہ میں اسلام سب سے تیزی سے پھیلنے والا مذہب:

لندن: برطانیہ میں ۲۰۱۱ء کی مردم شماری کے مطابق برطانیہ میں دیگر مذاہب کے مقابلے میں اسلام سب سے زیادہ تیزی سے فروغ پا رہا ہے، اور مسلم برطانوی شہریوں کی تعداد میں لگاتار اضافہ ہو رہا ہے، ایک سروے کے مطابق اس وقت برطانیہ کے باشندوں میں ۲۰ رلاکھ سے زائد مسلمانوں کی شناخت کی گئی ہے، لیکن افسوس کی بات ہے کہ مغربی میڈیا نے مسلمانوں سے متعلق بداعتمادی کی فضا ہموار کرنے میں سرگرم رول ادا کیا ہے، جس کی بنا پر ان کے ساتھ منفی رویہ اختیار کیا جاتا ہے۔ (سنڈے انڈین، جنوری ۲۰۱۳ء)

دورۂ فلسطین کے دوران ہسپانوی انجینئر کا قبول اسلام:

ہدایت کی تلاش میں کشاں کشاں پھرتے ہوئے ہسپانوی انجینئر کو بالآخر اس کی منزل مقصود سرزمین فلسطین میں مل ہی گئی، اور وہ دائرۂ اسلام میں داخل ہو گیا، ۳۸ رسالہ ہسپانوی انجینئر نے اپنا پرانا نام بابلو سے بدل کر ''محمد'' رکھا ہے۔

دراصل ہسپانوی شہری کچھ عرصہ قبل فلسطین کے مغربی کنارے پر پہونچا تھا، جہاں اس نے مختلف علماء سے ملاقاتیں کیں، چنانچہ گذشتہ روز مغربی کنارے میں جنین شہر کی جامع مسجد الکبیر میں مغرب کی نماز کے بعد داخل ہوا، اور کلمۂ طیبہ پڑھ کر اسلام قبول کرلیا، نومسلم انجینئر کا کہنا ہے کہ وہ موریطانیہ میں نومسلموں کے تذکروں اور واقعات کا مطالعہ کر کے اسلام سے متاثر ہوا۔ (انقلاب ممبئی ۱۲/۱۲/۱۲)

یورپی یونین کے طرز پر خلیجی ممالک کی یونین زیر تجویز:

منامہ: یوروپی یونین کے طرز پر خلیجی ممالک کی یونین تشکیل دینے پر غور وخوض کے لیے بحرین کے دارالحکومت منامہ میں خلیج تعاون کونسل (جی سی سی) کا ۳۳ واں سربراہی اجلاس ہو رہا ہے، جس میں رکن ممالک رہنما سعودی فرماں روا کی مذکورہ تجویز پر اپنی گرانقدر آراء کا اظہار فرمائیں گے۔ (خبرنامہ دہلی ۱۲/۱۲/۲۵)

مکہ میٹرو ریل کا منصوبہ منظور:

مکہ مکرمہ: سعودی کابینہ نے مکہ مکرمہ میں ۶۰ رارب ریال کی لاگت سے شہر کے اندرونی ریلوے سسٹم (مکہ میٹرو ریلوے) پر عمل درآمد کی منظوری دے دی ہے، اس منصوبہ کی تکمیل سے شہر کے دور دراز علاقوں میں قیام پذیر، دوسرے ملکوں سے آنے والے عازمین حج اور زائرین کو عبادت کے لیے مسجد الحرام کے لیے آمد ورفت کی سہولیات مہیا ہوں گی، مزید تفصیلات کے مطابق مکہ میونسپلٹی کے عہدیدار عباس القطان کے مطابق اس ریل نیٹ ورک کے لیے مسجد الحرام کے مختلف اطراف میں ۷۰۰ رمیٹر کے علاقے کے اندر ۴ رریلوے اسٹیشن بنائے جائیں گے۔ (عالمی سہارا، جنوری ۲۰۱۲ء) ☆☆

باب الفتاوی

(۱) کیامیاں بیوی کسی ایک کی موت پرایک دوسرے کوغسل دے سکتے ہیں؟ کتاب وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔
(۲) میت کوقبر میں اتارتے وقت کونسی دعاء پڑھی جائے اور یہ دعا کون پڑھے؟

الجواب بعون اللہ الوھاب وھوالموفق للصواب:

(۱) صورت مسئولہ میں واضح ہوکہ میاں بیوی میں جوبھی پہلے وفات پاجائے دوسرا اسے غسل دے سکتا ہے، جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: "رجع رسول الله ﷺ من البقيع فوجدني وأنا أجد صداعا في رأسي وأنا أقول وا رأساه فقال بل أنا يا عائشة) وا رأساه ثم قال: ما ضرك لو مت قبلي فقمت عليك فغسلتك وكفنتك وصليت عليك ودفنتك"۔ (صحیح سنن بن ماجہ، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی غسل الرجل امرأتہ وغسل المرأۃ زوجھا: ۱۱۹۷، ارواء الغلیل ح ۷۰۰، احکام الجنائز ص ۶۷)

یعنی رسول اللہ ﷺ (ایک صحابی کے جنازے سے فارغ ہوکر) بقیع سے واپس لوٹے، آپ ﷺ نے مجھے اس حالت میں پایا کہ میرے سر میں درد ہورہا تھا اور میں ہائے ہائے کررہی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! بلکہ میرے سر میں بھی درد ہورہا ہے۔ تجھے فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں، اگر تو مجھ سے پہلے فوت ہوگئی تو میں تجھے غسل دوں گا اور کفن پہناؤں گا اور تیرا جنازہ پڑھوں گا اور تجھے دفن کروں گا۔

ایک دوسری حدیث کے اندر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "لو كنت استقبلت من أمري ما استدبرت ما غسل النبي ﷺ غير نسائه" (صحیح سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی غسل امرأتہ وغسل المرأۃ زوجھا ح ۱۱۹۶، ابوداود، کتاب الجنائز، باب ستر المیت عند غسلہ ح ۱۴۶۴، حافظ ابن حجر نے اسے صحیح کہا ہے، دیکھئے: التلخیص الحبیر ۳/۲۷۴)

یعنی اگر مجھے پہلے یہ بات یاد آجاتی جو مجھے بعد میں یاد آئی ہے، تو رسول اللہ ﷺ کو آپ کی بیویوں کے سوا کوئی غسل نہ دیتا۔

علامہ قاضی شوکانی ؒ حضرت عائشہ صدیقہ ؓ کی اوپر والی حدیث کی شرح میں رقمطراز ہیں: "فيه دليل على أن المرأة يغسلها زوجها إذا ماتت وهي تغسله ..." (نیل الاوطار ۴/۳۱) یعنی اس حدیث کے اندر یہ دلیل موجود ہے کہ عورت جب مرجائے تو اسے اس کا خاوند غسل دے سکتا ہے۔ اوراس دلیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت بھی خاوند کو غسل دے سکتی ہے۔

علامہ محمد بن اسماعیل صنعانی صاحب سبل السلام ؒ فرماتے ہیں:

"فيه دلالة على أن للرجال أن يغسل زوجته وهو قول الجمهور" (سبل السلام: ۲/۱۴۷، ۲۴۷) اس حدیث میں اس بات پر دلالت ہے کہ آدمی اپنی بیوی کو غسل دے سکتا ہے، اوریہی جمہور ائمہ کرام ومحدثین عظام کا قول ہے۔

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: "ان فاطمة أوصت أن يغسلها زوجها علي وأسماء فغسلاها" (دارقطنی: کتاب الجنائز ح ۱۸۳۳، السنن الکبری للبیہقی ۳/۳۹۶، مصنف عبدالرزاق ۳/۴۱۰، شیخ محمد صبحی حلاق نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ (التعلیق علی سبل السلام ۳/۳۳۵)

بلاشبہ حضرت فاطمہ ؓ نے وصیت کی کہ انہیں ان کے خاوند علی بن ابی طالب ؓ اور حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا غسل دیں، تو ان دونوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غسل دیا۔

حضرت علامہ احمد حسن محدث دہلوی ؒ فرماتے ہیں:

"یدل علی أن المرأة یغسلها زوجها وهي تغسله بإجماع الصحابة لأنه لم ینقل من سائر الصحابة انکار علی أسماء وعلي فکان اجماعا" (حاشیۃ بلوغ المرام: ۱۰۵) یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عورت کو اس کا شوہر غسل دے سکتا ہے اور وہ اپنے شوہر کو غسل دے سکتی ہے، اس بات پر صحابہ کرام کا اجماع ہے، اس لیے کہ اسماء بنت عمیس ؓ اور علی بن ابی طالب ؓ پر کسی بھی صحابی کا انکار منقول نہیں، تو یہ مسئلہ اجماعی ہوا۔ علامہ شوکانی ؒ بھی اسی بات کے قائل ہیں۔ (نیل الاوطار ۲/۶۷۶)

علامہ البانی ؒ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ عورت و مرد ایک دوسرے کو غسل دے سکتے ہیں۔ (احکام الجنائز ص ۶۷)

ان محدثین کے علاوہ امام ابوبکر محمد بن ابراہیم المعروف بابن المنذر ؒ نے حضرت علقمہ، جابر بن زید، عبدالرحمٰن بن اسود، سلیمان بن یسار، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن، قتادہ، حماد بن ابی سلیمان، امام مالک، امام اوزاعی، امام احمد بن حنبل، امام شافعی اور امام اسحاق بن راہویہ جیسے کبار ائمہ ومحدثین رحمہم اللہ علیہم سے یہی بات نقل کی ہے۔ (الاوسط ۵/۳۳۵-۳۳۶)

اوپر کی تمام احادیث صحیحہ، اقوال وتعامل صحابہ وتابعین وآراء محدثین سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ میاں بیوی میں سے ہر ایک دوسرے کو غسل دے سکتے ہیں، ایک دوسرے کو کفن پہنا سکتے ہیں، اور شوہر اپنی بیوی کو قبر میں اتار بھی سکتا ہے۔

(۲) میت کو قبر میں اتارنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ میت کو قبر کے پاؤں کی جانب سے داخل کیا جائے، ابوداود، کتاب الجنائز، باب کیف یدخل المیت قبرہ ح: ۳۲۱۱ میں حضرت ابواسحاق ؒ روایت کرتے ہیں کہ "أوصی الحارث أن یصلي علیه عبد الله بن یزید، فصلی علیه ثم أدخله القبر من قبل رجلي القبر وقال: هذا من السنة"۔

یعنی حضرت حارث نے وصیت کی کہ ان کی نماز جنازہ عبداللہ بن یزید رضی اللہ عنہ پڑھائیں، انہوں نے ان کی نماز جنازہ پڑھی، پھر ان کو قبر میں پاؤں کی طرف سے داخل کیا اور فرمایا: یہ سنت میں سے ہے۔ یہ روایت صحیح ہے، ملاحظہ فرمائیں: (صحیح سنن ابی داود، کتاب الجنائز، باب کیف یدخل المیت قبرہ ح ۲۷۵۰)

صحابی رسول ﷺ کا کسی امر کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ سنت میں سے ہے تو اس سے مراد نبی کریم ﷺ کی ہی سنت ہوتی ہے، چنانچہ امام شافعی ؒ اپنی مایہ ناز تصنیف کتاب الام ص ۲۴۰ میں رقمطراز ہیں:

"وأصحاب النبي ﷺ لا یقولون السنة الا لسنة رسول الله ﷺ ان شاء الله تعالی" نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سنت کا لفظ رسول اللہ ﷺ کی سنت پر ہی بولتے ہیں، ان شاء اللہ تعالی۔

مشہور ومعروف تابعی امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ سے روایت ہے: "کنت مع أنس في جنازة فأمر بالمیت فأدخل من قبل رجلیه" (ابن ابی شیبہ ۳/۳۲۷، مسند احمد ۱/۴۲۹) یعنی میں ایک جنازہ میں خادم رسول حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا، انہوں نے میت کے متعلق حکم دیا تو وہ پاؤں کی جانب سے قبر میں داخل کی گئی۔

اسی طرح عمرو بن مہاجر ؒ سے روایت ہے: مشہور تابعی حضرت عمر بن عبدالعزیز ؒ کے فرزند کا جب انتقال ہوا تو انہوں نے بھی پاؤں ہی کی طرف سے قبر میں ان کو داخل کرنے کا حکم دیا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۳/۱۸) اس روایت کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں: حدثنا اسماعیل

بن عياش عن عمرو بن مهاجر عن عمر بن عبد العزيز أنه لما توفي ابنه أمر به فأدخل من قبل رجليه۔

اسی طرح ایک روایت ہے: "عن منصور بن عبد الرحمن قال: قلت للشعبي: رجل دفن ميتا فسله من قبل (رجليه) القبر قال: هذا والله السنة" (مصنف ابن ابی شیبہ:۳/۱۸، ح۱۱۶۸۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ: "ان النبي ﷺ سل من قبل رأسه سلا" (مسند امام شافعی ۱/ ۲۱۵) یعنی نبی کریم ﷺ کو آپ کے سر کی جانب (قبر کے پاؤں کی جانب) سے داخل کیا گیا۔

علامہ شوکانیؒ اسی بات کے قائل ہیں۔ (نیل الاوطار ۳/۲۹)

اوپر مذکور حدیث ابن عباس اور تمام صحیح آثار وعلامہ شوکانی کے موقف سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ میت کو میت کے سر کی جانب اور قبر کے پیر کی جانب سے داخل کرنا مسنون ہے۔

اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں فقیہ عصر علامہ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "يدخل من عند رجليه، فيؤتى بالميت من عند رجلي القبر، ثم يدخل رأسه سلا في القبر، هذا هو الأفضل"۔ (الشرح الممتع علی زاد المستقنع ۵/۳۵۹)

جہاں تک میت کو قبر میں رکھتے وقت کونسی دعاء پڑھی جائے اور کون پڑھے تو اس بارے میں واضح ہو کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اذا وضعتم موتاكم في قبورهم فقولوا بسم الله وعلى سنة رسول الله" (سنن ابن ماجہ:۱۵۵۰، ترمذی:۱۰۴۶، صحیح الجامع الصغیر ۱/۲۰۵، ح ۸۳۲، مصنف ابن ابی شیبہ ۳/۱۹، ح ۱۱۶۹۳) یعنی جب تم اپنے مردوں کو قبر میں اتارو تو کہو: بسم اللہ وعلی سنۃ رسول اللہ (ﷺ)۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک روایت اس طرح مروی ہے کہ: "ان النبي ﷺ كان إذا وضع الميت في القبر قال: بسم الله وعلى سنة رسول الله" (سنن ابی داود، کتاب الجنائز، باب فی الدعاء للمیت اذا وضع فی قبرہ ح ۳۲۱۳) یہ روایت صحیح ہے ملاحظہ فرمائیں (صحیح سنن ابی داود) یعنی اللہ کے رسول ﷺ جب مردہ کو قبر میں رکھتے تو کہتے ''بسم اللہ وعلی سنۃ رسول اللہ ﷺ''۔

مستدرک حاکم ایک صحیح روایت اس طرح ہے: "الميت إذا وضع في قبره فليقل الذين يضعونه حين يوضع في اللحد: بسم الله وبالله وعلى ملة رسول الله" (مستدرک حاکم ۱/۳۶۶) یعنی جب میت کو قبر میں رکھا جائے تو اسے لحد میں رکھتے وقت قبر میں اتارنے والے لوگ کہیں: "بسم الله وبالله وعلى ملة رسول الله"۔

اوپر مذکور تمام روایات سے معلوم ہوا کہ میت کو قبر میں رکھتے وقت مذکورہ دعاء پڑھی جائے گی اور مستدرک حاکم کی روایت سے معلوم ہوا کہ اس دعا کو میت کو قبر میں اتارنے والے حضرات پڑھیں گے، کیونکہ یہی مسنون طریقہ ہے۔

الجواب صحیح
علی حسین سلفی
استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

ھذا ما عندی واللہ أعلم بالصواب
ابوعفان نورالہدی عین الحق سلفی مالدہی
استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

☆☆☆